بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

غیرت کے نام پر قتل.....اَسباب اور سدّ باب	کلمۃ المدیر	۳
تحصیل علم کے آداب	شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم	۶
حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا درس حدیث	مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی	۱۰
علوم حدیث میں اختصاص، اہمیت وضرورت	مولانا محمد یاسر عبداللہ	۱۶
صاحبِ ''فوائدِ مکیہ'' قاری عبدالرحمٰن مکی	مولانا قاری اَحمداللہ قاسمی	۲۸
عصری تعلیم گاہوں کا نصاب اور نظامِ تعلیم	مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خاں	۳۴
مولوی اور معاشرہ	اوریا مقبول جان	۴۶
وفاق المدارس العربیہ کا دفتری نظم	محمد سیف اللہ نوید	۵۰
تبصرۂ کتب	محمد اَحمد حافظ	۶۰

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر- سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر- ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 30 روپے، زرسالانہ مع ڈاک خرچ: 360 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غیرت کے نام پر قتل.....اَسباب اور سدّ باب

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

وطن عزیز پاکستان میں ہر چند روز میں ایسے واقعات تواتر سے وقوع پذیر ہو رہے ہیں جو ہماری معاشرتی بنیادوں میں زلزلہ بپا کر دیتے ہیں۔ ماہِ رمضان میں ہمارے نشریاتی اداروں نے جس ہلکے پن کا مظاہرہ کیا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ دین کو گویا بازیچۂ اَطفال بنالیا گیا۔ وہ لوگ دین میں رائے زنی کرتے رہے جو شرفِ انسانی پر بدنما داغ ہیں۔ عامۃ الناس کو رمضان کی برکات سے محروم رکھنے کے لیے خاص سحری وافطاری کے اوقات میں بے حیائی پر مبنی پروگرام نشر کیے جاتے رہے، دیگر اَوقات میں بھی بے حیائی کے ایسے مظاہرے ہوئے کہ معروف معنوں میں غیر مذہبی لوگ بھی اس پر جز بز ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ایک صاحب نے تو حد کر دی اور سیدھے سبھاؤ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی پر حملہ آور ہو گئے۔ عقیدۂ ختم نبوت سے متعلق آئین کی متفقہ ترمیم کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالا۔ متعلقہ ادارے نے اگرچہ پرزور عوامی احتجاج کے بعد بہ ہزار دِقت سہی، چند روز کے لیے اس پروگرام پر پابندی لگادی جس میں ناموس ختم نبوت کے خلاف قادیانیوں کی واشگاف حمایت کی گئی تھی۔

ایک دوسرا معاملہ جس کا ایک سرا ہمارے معاشرے سے جڑا ہوا ہے تو دوسرا سر اذرائع ابلاغ نے تھام رکھا ہے، وہ غیرت کے نام پر قتل کا ہے۔ گذشتہ کچھ عرصہ سے غیرت کے نام پر قتل میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ ایک سروے کے مطابق صرف ۲۰۱۳ء سے اکتوبر ۲۰۱۴ء تک ۸۶۹ واقعات قتل غیرت کے ہوئے ہیں، اس کے بعد ۲۰۱۵ء گذر گیا اب ۲۰۱۶ء کا نصف ہو چکا ہے، اس دوران مزید کتنے واقعات ہو چکے ہوں گے گذشتہ پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ وفاقی حکومت ایک مسودہ ء قانون پر غور کر رہی ہے جس کے ذریعے اس طرح کے قتل کی روک تھام کی جاسکے۔ ایک طرف تو یہ ہے دوسری طرف جب بھی کوئی ایسا واقعہ ہوتا ہے تو نشریاتی اداروں میں پہلے سے تیار بیٹھے افراد کی زبانیں دین و مذہب کے خلاف کبھی ملفوف پیرائے میں اور بعضے وقت واضح انداز میں زہر اگلنے لگتی ہیں۔

غیرت..... جو مکارم اخلاق میں سے ایک عظیم صفت ہے اس کا اس طور تذکرہ کیا جاتا ہے جیسے یہ فالتو، بے معنیٰ بلکہ کسی درجے میں کوئی منفی صفت ہو۔ نشریاتی اداروں میں بیٹھے افراد کو شاید اس بات کا ادراک واحساس ہی نہیں کہ

غیرت کیا چیز ہوتی ہے؟.....اس کی وجہ بھی غالباً اِن اداروں کا وہ ماحول ہے جس میں غیرت وحمیت کا گذر نہیں ہوتا۔ فسادِ قلب ونظر کا شکار افراد ان اعلیٰ انسانی قدروں کا پاس رکھ بھی نہیں سکتے، وہ.....وہی کچھ کہتے ہیں جو ان کے مریض دلوں میں ہے یا جو انہیں سکھایا پڑھایا گیا ہے۔

ہمیں ان سطور میں غیرت کے نام پر قتل کی وکالت یا موافقت نہیں کرنی (شریعت مطہرہ نے اس باب میں واضح احکام دیے ہیں) ہمیں ان واقعات کو ایک دوسرے زاویے سے دیکھنے کی کوشش کرنی ہے.....سوال یہ ہے کہ وہ کون سے اسباب ہیں جن کی بنا پر ایک شریف گھرانے کی بچی تمام دینی اور اخلاقی حدود وقیود کو توڑتے ہوئے اپنے والدین اور خاندان کی عزت کو پامال کر دیتی ہے۔ وہ کسی اجنبی مرد سے مراسم رکھتی اور گھر کے محفوظ ماحول کو چھوڑ کر اس کے ساتھ فرار ہو جاتی ہے؟!.....ہمارے نشریاتی ادارے جو کچھ پیش کر رہے ہیں کیا وہ معاشرے کو مثبت اقدار دے رہے ہیں یا منفی؟.....ہمارا مخلوط نظام تعلیم، ہر شعبہ زندگی میں عورت کی شمولیت اور برابری کے نام پر مخلوط سرکاری اور پبلک ادارے ان واقعات کے رونُما ہونے میں کتنا کردار ادا کر رہے ہیں؟!.....غیرت کے نام پر قتل کرنے والے کا تو ٹرائل کیا جاتا ہے، معاشرے میں پھیلائی گئی بے راہ رَوی، بے باک ٹاک شوز، بے حیائی پر مبنی ٹی وی ڈرامے زیر بحث کیوں نہیں لائے جاتے؟!.....اُن والدین اور افرادِ خاندان کے لیے ہمارے دلوں میں ہمدردی کے جذبات کیوں پیدا نہیں ہوتے جن کی عزت بھری دنیا میں پامال کر دی گئی؟!.....یہ وہ سوالات ہیں جن کا حل تلاش کیے بغیر ایسے واقعات کی روک تھام نہیں کی جا سکتی۔

پاکستانی معاشرہ اگرچہ من حیث المجموع مثالی معاشرہ نہیں، اور اس معاشرے میں بہت سے تضادات بھی ہیں، مگر ایسا بھی نہیں کہ شرم وحیاء اور غیرت وحمیت بالکلیہ رخصت ہو گئے ہوں۔ یہ تو ایک آفاقی حقیقت ہے کہ ہر عمل کا ایک ردعمل ہوتا ہے۔ کمزور عمل کا ردعمل کمزور اور شدید اور زوردار عمل کا شدید اور زوردار ردعمل.....اس ردعمل کی انتہا قتل بھی ہو سکتی ہے۔ ہم یہاں بے غیرتی کے عمل پر اظہار غیرت کے ردعمل کی بات کر رہے ہیں ورنہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی حوصلہ افزائی کی جائے تو سارا معاشرہ ہی انارکی کا شکار ہو جائے گا۔ اس لئے کہ کوئی بھی غیرت مند باپ یا بھائی اپنی خواتین کو فحش کا ارتکاب کرتے دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ بخاری شریف کتاب الحدود میں حدیث شریف ہے:

عن مغيرة بن شعبة رضى الله عنه قال: قال سعد بن عبادة رضى الله عنه لو رأيت رجلاً مع امرأتى لضربته بالسيف غير مصفح! فبلغ ذالك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال اتعجبون من غيرةِ سعد فوالله لأنا اَغْيَرُ منه والله اَغْيَرُ منى، ومن اجل غيرة الله حرم الفواحش ماظهر منها و مابطن (رواہ البخاری ومسلم)

''حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں اپنی

بیوی کے ساتھ کسی کو دیکھ لوں تو اسے تلوار سے مار ڈالوں، ہرگز نہ اسے چھوڑوں گا۔ (اس بات کی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم کو سعد کی غیرت پر تعجب ہے؟ اللہ کی قسم! میں اس سے زیادہ صاحب غیرت ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والے ہیں، اسی غیرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام فواحش ظاہری اور باطنی کو حرام قرار دے دیا ہے۔''

ایک دوسری حدیث شریف میں ارشاد ہے:

ان اللّٰہ یغار وغیرۃ اللّٰہ ان یأتی المؤمن ماحرم اللّٰہ (بخاری، کتاب النکاح)

''بے شک اللہ تعالیٰ کو غیرت آتی ہے اور غیرت الٰہی یہ ہے کہ مومن حرمات کا ارتکاب کرے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال المومن یغار و اللّٰہ اشد غیراً (رواہ مسلم)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن غیرت مند ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بڑھ کر غیرت والے ہیں۔''

یہاں غیرت جیسی عظیم انسانی قدر کے بارے میں وارد احادیث کا احاطہ کرنا مقصود نہیں، صرف یہ بتانا ہے کہ غیرت اعتدال میں رہتے ہوئے ایک مومن سے مطلوب محمود صفت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ..... ''خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی''..... اسے مغربی معاشرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام میں نسب کی حفاظت کے لیے عفت وعصمت اور پاک دامنی کو خاص مقام حاصل ہے۔ اسلامی معاشرے میں عفت وعصمت کی پاسبانی جبھی ممکن ہے کہ مرد غیور ہو، وہ اپنے اہل وعیال پر غیرت کی نگاہ رکھنے والا ہو، وہ اپنے گھر کے اَفراد کو حدود اللہ کی پامالی، فحش کے ارتکاب اور زنا کے قریب بھی جانے سے منع کرنے والا ہو۔

ہماری رائے یہ ہے کہ غیرت کے نام پر قتل کے خلاف ضرور قانون سازی کیجیے، بلکہ پہلے سے موجود قوانین کو بھی بروئے کار لائیے، اس سلسلے میں کتبِ حدیث وفقہ میں موجود واضح اَحکام سے بھی مدد لیجیے، مگر ساتھ ساتھ اُن اسباب کو بھی ختم کیجیے جن کی بنا پر قتل تک نوبت آجاتی ہے۔ اس بات کا بھی اہتمام کیجیے کہ اَخلاق وکردار کو تباہ کرنے والے، بے حیائی کی دعوت دینے والے، زنا کے راستوں پر لے جانے والے تمام اسباب خصوصاً ٹی وی پروگراموں پر بھی قدغن لگائی جائے۔ اگر یہ نہیں تو پھر سمجھا جا سکتا ہے کہ محض قتلِ غیرت کی سزا دے کر دراصل مذہب اور اعلیٰ انسانی اقدار سے بغاوت کی راہ ہموار اور فحاشی وعریانی کی پذیرائی کی جارہی ہے،..... اللہ تعالیٰ وہ دن نہ لائے۔ آمین!

☆☆☆

تحصیل علم کے آداب

خطاب: شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

حضرت صدر وفاق دامت برکاتھم العالیہ کا ایک اصلاحی بیان،جو اھمیت علم اور طلبہ کی بعض کوتاھیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا،نئے تعلیمی سال کے آغازپر قدرے اختصار کے ساتھ پیش خدمت ھے۔

(دوسرا و آخری حصہ).....اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین اور عمدہ موقع فراہم کیا ہے، میں آپ سے نہ کسی بہت اعلیٰ ریاضت کا مطالبہ کر رہا ہوں اور نہ کسی سخت مجاہدے میں آپ کو ڈال رہا ہوں، نہ آپ کے کندھوں پر بے جا مشقت کا بوجھ لاد رہا ہوں.....نہیں! بلکہ یہ جو آپ کی زندگی ہے اس کے ساتھ ساتھ اپنا رخ تبدیل کریں کہ یہ پڑھنا عمل کے طور پر ہو، صرف نقوش حاصل کرنا نہ ہو، اور تقویٰ حاصل کرنے کے لیے معاصی سے اجتناب کیا جائے، معاصی کے ارتکاب سے دل سیاہ ہوتا ہے اور جب دل سیاہ ہو جاتا ہے تو اللہ اور اس کے رسول سے غفلت ہو جاتی ہے اور خدانخواستہ یہ غفلت ترقی کر جائے تو پھر کوئی کتنا بھی سمجھائے اس کے سمجھانے کا اثر نہیں ہوتا، بلکہ سمجھانے سے الٹا نقصان ہوتا ہے کہ سمجھانے والے کا مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ بہت خطرناک بات ہو جاتی ہے۔ آج ہمارا اہل علم کا جو طبقہ ہے وہ اور عامۃ اسی طرح کی صورت حال سے دوچار ہے، اہل صلاح، اہل فلاح، اہل تقویٰ اور اہل معرفت کا فقدان ہے، حالانکہ بڑی بڑی صلاحیتیں ہمارے ان بچوں اور طلبہ میں ہوتی ہیں، لیکن انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا پورا فائدہ نہیں اٹھایا۔

جہاں جاؤ! جس مجلس میں بیٹھو، گناہ ہی گناہ ہیں، بس یہی ہمارا موضوع ہے کہ جناب غیبتیں کی جائیں اور ایک دوسرے کی پگڑی اچھالیں اور عیب تلاش کریں اور ان کی کوتاہیوں کو بیان کریں، یہ عام رواج ہے اور اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے، تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو موقع آپ کو عطا فرمایا ہے آپ اس کو ضائع نہ کریں۔

ایک شہزادے کا قصہ:

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ ایک شہزادہ شکار کے لیے گیا شکار کے دوران اس کی قیمتی انگوٹھی جس میں ہیرا جڑا ہوا تھا وہ کہیں گر گئی، وہاں مٹی اور سنگریزے تھے، بہت تلاش کی نہیں ملی تو شہزادے نے کہا کہ جتنے سنگریزے ہیں اور مٹی ہے اس کو اکٹھا کر لو اور پھر اپنی جگہ پر جا کر اطمینان سے تلاش کرنا وہ مل جائے گی، چنانچہ وہاں تو تلاش بسیار کے بعد وہ

انگوٹھی نہیں ملی تھی، لیکن شہزادے نے جو ترکیب بتائی تھی اس پر عمل کر کے سنگریزوں اور مٹی کو جمع کر کے اپنی جگہ لائے اور وہاں آرام سے تلاش کیا تو وہ مل گئی، تو سنگریزے تو بہت تھے اور ہیرا ایک تھا، سنگریزے مدرسوں میں بھی بہت ہوتے ہیں لیکن کوئی ہیرا بھی ہوتا ہے، آپ اپنی ہی مسجد میں دیکھ لیں، ایسے لوگ بھی ہیں جو صف اول کا اہتمام کرتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ آپ کو خبر ہی نہ ہو، کیونکہ آپ تو رہتے ہی آٹھویں اور دسویں صف میں ہیں، آپ کو وہاں کا حال ہی معلوم نہیں ہے، آپ نے وہاں کبھی پہنچنے کی کوشش ہی نہیں کی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں، وہی ان مدارس کے قیام، استحکام اور بقا کا ذریعہ ہیں، اللہ انہیں اور اخلاص نصیب کرے۔ باقی جو لڑکے عمل کا اہتمام ہی نہیں کرتے تو وہ لوگ علم برائے عمل حاصل نہیں کر رہے، ان کا علم نور نہیں بنے گا، ان کے علم میں وسعت تو ہو سکتی ہے لیکن عمق نہیں ہوگا، گہرائی نہیں آئے گی اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ معلومات کی وسعت..... یہ علم نہیں ہے، علم تو نور ہے جو اللہ تعالیٰ انسان کو عطا فرماتے ہیں اور تقویٰ سے اس میں ترقی ہوتی ہے اور گناہوں کی عادت ڈال لینے سے وہ زائل ہو جاتی ہے۔

سبق آموز واقعات:

یہ اس زمانے کی بات ہے جب ہم چھوٹے تھے اور بہت ہی چھوٹے تھے، ہمارے ایک استاد تھے، جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرید تھے، وہ حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں ہر جمعہ کو جایا کرتے تھے، تو ہم نے بھی ان کے پیچھے پیچھے جانا شروع کیا، انہوں نے کبھی اس کا حکم دیا تھا اور نہ ہی ہمارے والدین کا اس طرف کوئی اشارہ تھا، وہاں جاتے جاتے شوق ہو گیا تو چھوٹے ہونے کی وجہ سے ہمارے والد صاحب نے ہمیں تین پہیوں والی سائیکل خرید کر دی، ہمارے ہاں سے تھانہ بھون تک کا فاصلہ تقریباً دو تین میل کا تھا، سڑک نہیں تھی کچا راستہ تھا تو سائیکل چلانے کے شوق میں کہہ لیجیے، ہم اس پر بیٹھ کر تھانہ بھون جایا کرتے تھے، یہ اس وقت ہوتا تھا جب ہم بہت چھوٹے تھے، اس کے بعد پھر والد صاحب نے ہمیں چھوٹی دو پہیوں والی سائیکل خرید کر دی اور اس کا استعمال اور مصرف بھی یہی تھا کہ ہم جمعہ کے دن تھانہ بھون جایا کرتے تھے۔ یہ تو اس وقت کی بات ہے کہ جب ہم نے عربی پڑھنا شروع نہیں کیا تھا، جب ہم نے جلال آباد میں عربی پڑھنا شروع کیا تو ہمارے استاذ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ وہ حضرت کے خلیفہ تھے، پہلے تو ہم اپنے گھر میں ہوتے تھے اور ہر جمعہ کو تھانہ بھون جاتے تھے، اب یہ ہوا کہ پورا ہفتہ جلال آباد میں رہتے تھے اور جمعرات کی شام کو ہم واپس گھر آیا کرتے تھے، مدرسہ بہت مختصر سا تھا اس میں مطبخ نہیں تھا، دارالاقامہ کا کوئی خاص انتظام نہیں، کتب خانہ نہیں تھا، ہم اپنی کتابیں خود خرید کر پڑھتے تھے، سردی کے زمانے میں ہمارا ملازم گھر سے ہمارا کھانا لے آیا کرتا تھا اور وہ دونوں وقت کے لیے کفایت کر جاتا تھا، گرمی کے زمانہ میں چونکہ یہ ممکن نہیں تھا، اس لیے ہم وہاں کسی کے گھر کھانا پکواتے تھے، دو تین خواتین اس زمانے میں ایسی گزری ہیں جن کے یہاں ہمارا کھانا پکتا تھا اور ان بیچاری عورتوں کو کچھ بھی پکانا نہیں آتا تھا، سوائے ماش کی دال کے، ہم تو ان کو سب چیزیں فراہم کرنے کے لیے تیار تھے، لیکن یہ کہ وہ ماش کی دال پکاتی تھیں اور

وہ بھی بغیر دھلی ہوئی، جس میں کالے چھلکے ہوتے تھے اور دال میں ڈالا ہوا پانی کالا ہوتا تھا، تو کالا پانی اور دال کے چھلکے یہ ہمیں خوراک ملتی تھی، اس کو لاکر ہم ایک کونے میں ڈال دیا کرتے تھے، وہ کھانے کی چیز ہی نہیں ہوتی تھی کہ اسے کھایا جائے، ہماری والدہ کو یہ سب معلوم تھا لیکن ان کے بس میں نہیں تھا، اس لیے وہ کڑھتی تھیں اور ان کو تکلیف بھی ہوتی تھی۔ جب ہم جمعرات کو گھر جاتے تھے، تو بس وہ یہ چاہتی تھیں کہ جیسے اپنا کلیجہ ہمیں کھلا دیں، اس قدر ان کو محبت اور اس قدر خیال کہ ایک ہفتہ کے بعد طرح طرح کی چیزیں ہمارے لیے تیار ہوتی تھیں، لیکن ہوتا کیا تھا؟ کہ عصر کی نماز جلال آباد سے پڑھ کر چلتے تھے اور مغرب کے وقت آرام سے گھر پہنچ کر نماز پڑھ لیتے تھے، پھر کھانا ہوتا تھا، اس کے بعد صبح کو ناشتہ ہوتا تھا، اس کے بعد ہماری درخواست ہوتی تھی کہ ہم تھانہ بھون جائیں گے، والدہ کہتی تھیں، بیٹا یہ تو نہیں ہوگا! کیونکہ تھانہ بھون کا مطلب یہ تھا کہ وہاں حضرت کی مجلس میں شریک ہوں گے، پھر گھر نہیں آئیں گے اور سیدھے مدرسہ چلے جائیں گے، تو وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھیں، بہت منع کرتی تھیں، اور ظاہر ہے کہ یہ شفقت اور محبت کی بنا پر ہوتا تھا، بغیر اجازت کے تو ہم جا نہیں سکتے تھے، لیکن ہمیں تھانہ بھون جانے کا ایسا شوق ہوتا تھا کہ ہزار خوشامد کرتے تھے تاکہ امی ہمیں اجازت دیں اور وہ خوشامد کرنے پر اجازت دے دیا کرتی تھیں..... آخر 'ماں' تھیں!

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کے ساتھ محبت عطا کر دی، جس کا ثمرہ اللہ تعالیٰ نے بہت ہی مثبت انداز میں عطا فرما دیا۔

اَکابر کی مجالس میں حاضری کا مقصد:

ہمارے ایک دوست تھے جو جلال آباد (انڈیا) کے رہنے والے تھے، بڑی عمر کے تھے اور وہ سب طلبہ کے ہاں محترم تھے اور سب ہی ان کا ادب کرتے تھے، اگرچہ ہم شرح جامی پڑھتے تھے اور وہ میزان لیکن بہرحال ان کی یہ حیثیت مسلم تھی، ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ نہ تمہیں سمجھ ہے اور نہ حضرت کی گفتگو تمہارے بس کی ہے کہ ان کے بیان کو تم سمجھ سکو، تو تم وہاں کیوں جاتے ہو؟ ظاہر ہے کہ میں اس بات کا جواب دینے سے قاصر تھا، تو انہوں نے مجھے سمجھایا اور ایک بات بتائی جو زندگی بھر کے تجربے سے صحیح ثابت ہوئی، فرمایا: دیکھو کسی مجلس میں 'معلومات' حاصل کرنے کے لیے نہیں جایا کرتے بلکہ اصل چیز یہ ہے کہ بزرگوں کی مجلس میں جانے سے اور وہ صحبت جو ان کے ساتھ رہتی ہے اس کی وجہ سے ان کا ذوق اہل صحبت کی طرف منتقل ہوتا ہے، اس ذوق کی خاطر وہاں جانا چاہیے، ان شاء اللہ تمہیں بھی فائدہ ہوگا۔

اور ہمارے ہاں تو کئی لوگ آتے ہیں، معلومات بڑھانے کے لیے، نہیں یہ تو ایک امر زائد ہے، اصل وہ 'ذوق' ہے اور ظاہر ہے کہ بزرگوں کا 'ذوق' بزرگی ہی دلانے والا ہوتا ہے، تو وہ ذوق مکمل حاصل ہوا صیانا مکمل..... لیکن الحمدللہ ثم الحمدللہ پوری زندگی میں ہماری رہنمائی کرتا رہا، گو ہم نے زندگی کوئی قابل تقلید نہیں گزاری، لیکن الحمدللہ اپنی کوتاہیوں پر نظر ضرور رہی اور ان کی تلافی کی بھی اپنی بساط کے مطابق چھوٹی چھوٹی کوششیں ہوتی رہیں۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ، یہ ان بزرگوں کی

صحبت کا نتیجہ تھا، آج تو ان پہلے لوگوں کی طرح بزرگ باقی نہ رہے لیکن یہ کہ مدرسہ کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری میں ہم اچھی طرح یقین رکھتے ہیں کہ تعلیم بھی ضروری ہے اور تربیت بھی اور وہی ۔

نقل ارشادات مرشد می کنم
اصل کی برکت سے کیا عجیب
نقل میں بھی ہو وہی فیض اتم

اور یہ بھی ارشاد فرمایا گیا:

"من تشبه بقوم فهو منهم"

یعنی جس نے جس قوم کی بھی مشابہت اختیار کرلی وہ انہی میں سے شمار ہوگا، تو ہم اپنے بزرگوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب اور حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ دونوں حضرات میرے پیرومرشد ہیں، انہوں نے فرمایا بھی دیا کہ مولانا فقیر محمد صاحب کا تو حکم ہی نہیں، اصرار تھا لیکن جب تک یہ حضرات حیات تھے، میری جرأت نہیں ہوئی کہ کوئی وعظ کی مجلس قائم کروں، میں نے حکم عدولی بھی کی، لیکن اپنے اندر ہمت نہیں پاتا تھا کہ میرے مشائخ موجود ہیں اور ان کی موجودگی میں جناب میں پیر بن کر بیٹھ جاؤں اور آپ کو معلوم ہے کہ میں اب بھی پیر بنا ہوا نہیں ہوں، میں کسی کو مرید نہیں کرتا، لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ ہمیں مرید بنالو، لیکن میں اس چکر میں پڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں، اس لیے کہ جو رونا مدارس کا میں نے آپ کے سامنے رویا ہے یہی حشر آج خانقاہوں کا بھی ہے، خانقاہوں کی بھی یہی کیفیت ہے، وہاں اصلاح کا کوئی تصور موجود نہیں ہے، لوگ شیخ کا قرب حاصل کرنے کے لیے وہاں حاضریاں دیتے ہیں اور دنیا کے منافع حاصل کرنے کے لیے شیخ سے اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہیں، میں نے ذکر کیا کہ یہاں بھی امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مثالیں موجود ہیں اور کچھ لوگ وہاں بھی ایسے ہیں جو واقعی اللہ والے ہیں، لیکن نہایت قلیل، تو اس بنا پر میں اپنے بزرگوں کے حکم کی تعمیل کی بنا پر یہ اہتمام کرتا ہوں اور الحمدللہ، اللہ کی برکت بھی عطا فرماتے ہیں اور اچھے نتائج بھی اللہ دکھاتے ہیں ۔

اصل کی برکت سے لیکن کیا عجب
نقل میں بھی ہو وہی فیضِ اَتم

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

☆☆☆

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

اوران کے درسِ حدیث کی خصوصیات

از: مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی

شیخ کا علمی فیضان:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی شخصیت ایک بافیض شخصیت تھی، علوم نبوت کا ایک دریا ہے جو آپ کے چشمہ صافی سے رواں ہوا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من یرد اللّٰہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین، وانما اقاسم، واللّٰہ یعطی، ولن تزال ھذہ الأمۃ قائمۃ علی امراللّٰہ، لایضرھم من خالفھم حتی یاتی امر اللّٰہ۔ **(رواہ البخاری)**

علم شریعت اورنور ہدایت حقیقت میں اس کا دینے والا اللہ ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذریعہ اور واسطہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے تقسیم ہوکر ملتا رہے گا، مگر یہ دنیا دارالاسباب ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ ہر کس و ناکس نہیں ہوسکے گا، اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث ''انما العلم بالتعلم'' کہ قابل اعتبار علم وہی ہوگا جو انبیاء اوران کے وارثین کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہو۔ (فتح البخاری)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث وہی ہوسکتا ہے جس کے اوصاف وکمالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات کے مشابہ ہوں، دو چیزوں کے درمیان فرق اور اختلاف کبھی تو اس طرح ہوتا ہے کہ دونوں کی ذات اور آثار و احکام الگ الگ ہوتے ہیں، جیسے انسان گھوڑے اور گدھے کے درمیان، لکڑی پتھر کے درمیان اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ دونوں کی ذات اور آثار واحکام یکساں ہوتے ہیں، فرق صرف کامل اور ناقص کا ہوتا ہے، جیسے حرارت و برودت کے مراتب ہیں، اور روشنی وتاریکی کے درجات ہیں، انبیاء علیہم السلام اوران کے متبعین کے درمیان فرق اسی دوسری نوعیت کا ہے، ان کمالات کا اعلیٰ درجہ انبیاء علیہم السلام کے لیے مخصوص ہوتا ہے، مگر اصل کمال اوراس کی بنیاد ہر صحیح الاعتقاد اور قوی

الانفیاد مومن و مسلم کے دل میں موجود ہوتی ہے، اَدنیٰ درجہ کے مومنین کے کمالات اور انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے درمیان موازنہ کیا جائے تو کوئی مناسبت نہیں ہوتی اور اس کو اشتباہ والتباس نہیں ہوتا ہے، مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے کمالات کو انبیاء علیہم السلام کے کمالات سے امتیاز وفرق کرنا بے حد مشکل ہوتا ہے، اگر چہ نفس الامر میں امتیاز وفرق موجود ہوتا ہے، بعض کاملین کو ایک کمال میں مشابہت ہوتی ہے، کسی کو دو میں اور کسی کو تین میں اور بعض حضرات ایسے ہیں ہوتے کہ ان کو بہت سے کمالات میں مشابہت ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"لو کان بعدی نبی لکان عمر"

یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

"انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی"

اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"انه یشبه خُلقی خلقی"

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں:

من احب ان ینظر الی عیسٰی بن مریم فی زهده فلینظر الی ابی ذر

یہ سب احادیث اسی مضمون کو موید ہیں۔

جن لوگوں سے علوم نبوت اور نور ہدایت کا فیضان جاری ہوا ہے ان کے بارے میں علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے اندر تین باتوں کا ہونا ضروری ہے:

۱).....وہ اپنے علم پر عمل پیرا ہوں۔

۲).....ماہرین علم سے تعلیم وتربیت پائے ہوئے ہوں اور ان کے صحبت یافتہ ہوں۔

۳).....ان کے طور طریق کی اتباع اور اقتداء میں سرگرم ہوں۔

فیضان علمی اور نور ہدایت کی اشاعت کی تاریخ گواہ ہے کہ آج تک جن لوگوں کی نور ہدایت کی اشاعت کی شہرت حاصل ہوئی، وہ سب کے سب ان اوصاف سے مزین تھے اور جن سے گمراہی کی اشاعت ہوئی وہ ان اوصاف سے خالی و عاری تھے۔ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت حسب ذیل ہے:

"للعالم المتحقق بالعلم امارات وعلامات، وهی ثلاث:

احداها:..... العمل بما علم حتی یکون قوله مطابقاً لفعله۔

والثانیة:..... ان یکون ممن رباه الشیوخ فی ذلك العلم، لأخذه عنهم و ملازمته لهم، فهو الجدیر بان یتصف بما اتصفوا به من ذلك، وهٰكذا كان شان السلف الصالح، فاول ذلك ملازمة الصحابة رضی اللّٰه عنهم لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وأخذ هم باقواله وأفعاله واعتماد هم علی مایردمنه كائناً ماكان،

وعلىٰ أی وجه صدر؟ وانما ذلك بكثرة الملازمة وشدة المثابرة، وصار مثل ذلك أصلا لمن بعدهم، فالتزم التابعون فی الصحابة سيرتهم مع النبی صلی اللّٰه عليه وسلم حتی فقهوا، ونالوا ذروة الكمال فی العلوم الشرعية، وحسبك من صحة هذه القاعدة انك لاتجد عالما اشتهر فی الناس الأخذعنه الا وله قدوة اشتهر فی قرنه بمثل ذلك، وقلما وُجدت فرقة زائغة، ولا احد مخالف للسنة، الا وهو مفارق لهذا الوصف۔

والثالثة:..... الاقتداء بمن أخذ عنه، والتادب، كما علمت من اقتداء الصحابة بالنبی ﷺ، واقتداء التابعين بالصحابة رضی اللّٰه عنهم، وهكذا فی كل قرن، وبهذا الوصف الممتاز مالك عن أضرابه، أعنی: بشدة الاتصاف به، والا فالجميع ممن يهتدی به فی الدين كذالك كانوا، ولكن مالكاً اشتهر بالمبالغة فی هذا المعنیٰ، فلما ترك هذا الوصف رفعت البدع رءوسها، انتهی(ملخصاً) (الموافقات ج: ۱۔مقدمہ نمبر ۱۲)

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی بے پناہ مقبولیت اور وسیع سطح پر ان کے علمی واصلاحی فیضان کا راز مذکورہ بالا صفات میں ان کا کمال ہے، چنانچہ اپنے والد رحمہ اللہ کی بے مثال تربیت کے نتیجہ میں بچپن ہی سے علم پر عمل پیرائی ان کی طبیعت بن چکی تھی، اس چیز کو ان کی آپ بیتی کا قاری بیّن طور پر محسوس کرے گا، جہاں تک صحبتِ شیخ اور ان کی متابعت میں سرگرمی کا تعلق ہے تو خصوصیت کے ساتھ آپ نے حدیث اپنے والد اور حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارن پوری رحمہما اللہ سے پڑھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے والد یہ دیکھ رہے تھے کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلم کے لیے جس بلند معیار کی متابعتِ شیخ درکار ہے، ان ہی کے سامنے پڑھنے کی صورت میں پائی جاسکے گی، دیگر اساتذہ کے ساتھ ممکن ہے اس درجہ کی متابعت شاید محقق نہ ہوسکے مبادا قبولیت علم میں رکاوٹ پیدا ہو، اس لیے حدیث شریف کا کوئی سبق کسی دوسرے سے پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔ (دیکھیے آپ بیتی ۱/۱۰۷)

والد کے ساتھ تو شب وروز گزرتے ہی تھے، حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ یگانگت ومتابعت کا یہ حال تھا کہ اپنے آپ کو استاذ وشیخ کی منشاء پر قربان کردیا، خصوصی تلمذ وخدمت کے علاوہ ''بذل المجہود'' کے پورے دور تالیف (۱۳۳۵ھ تا ۱۳۴۵ھ) میں آپ کے دست راست بن کر رہے، مراجع سے مراجعت، پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے املاء کو قلم بند کرنے پر اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چشم وابرو کے ایک ایک اشارے کو سمجھنے اور اس کی تعمیل میں حد درجہ محنت اور خلوص کا نتیجہ تھا کہ بذل المجہود کی تکمیل کے بعد حجازِ مقدس کی واپسی صفر ۱۳۴۶ھ پر حضرت سہارن پوری رحمہ اللہ نے انہیں مدرسہ مظاہر العلوم کا شیخ الحدیث نامزد کیا، جب کہ ابھی آپ اپنی عمر کے تیسویں سال میں تھے۔ اگرچہ تدریس حدیث کا آغاز اس سے پہلے ہو چکا تھا لیکن باضابطہ منصب مشیخت حدیث پر ۱۳۴۶ھ میں فائز ہوئے اور ۱۳۸۸ھ تک بیالیس سال مسلسل اس منصب جلیلہ پر فائز رہ کر ہزاروں تشنگان علوم نبوت کو سیراب کرتے رہے اور مشترکہ ہندوستان میں علی الاطلاق ''شیخ الحدیث'' کے لقب سے جانے گئے اور اب بھی اسی لقب سے جانے جاتے ہیں۔

درس وتدریس میں سب سے پہلے خود مدرس کی ذات اور اس کے کمالات واوصاف دیکھے جاتے ہیں، اس کے بعد

خصوصیات درس کا درجہ ہے جس کی بناء پر مذکورہ بالا بات کا تذکرہ ضروری تھا۔

خصوصیات درس:

خصوصیات کی تفصیل اگر کی جائے تو ایک دفتر چاہیے، مختصر طور پر کچھ باتیں عرض کی جاتی ہیں، جو یقیناً بعد والوں کے لیے نشان راہ ثابت ہوں گی:

(۱).....ابتدائی برسوں میں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا درس انتہائی مفصل ہوتا رہا لیکن جوں جوں طلبہ کی استعداد اور قویٰ میں انحطاط آتا گیا آپ کی درسی تقریر مختصر ہوتی رہی، جیسا کہ فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے بچپن میں بار بار ایک فقرہ سنا اور اپنے دور میں اس کا خوب مشاہدہ کیا، وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ معلوم نہیں کہ ایک رمضان میں کیا تغیر ہو جاتا ہے کہ دو سال کے دورہ والوں میں زمین و آسمان کا فرق ہو جاتا ہے، اپنے پچاس سالہ تدریس حدیث کے دور میں مشاہدہ بھی کر لیا، حدیث پڑھانے کے ابتدائی دور میں بعض طلبہ ایسے اچھے اشکالات کیا کرتے تھے کہ جی خوش ہو جاتا تھا لیکن انتہا میں بعض دفعہ درمیان میں تقریر کو اس لیے چھوڑنا پڑتا تھا کہ مخاطبین میں سے کوئی اس کو سمجھ نہیں رہا تھا۔'' (آپ بیتی نمبر۲)

(۲).....آپ کا درس عشق نبوی اور حبِ رسول کا نمونہ ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات کے ذکر پر انتہائی سوز و گداز سے کلام فرماتے جس کا اثر پورے مجمع پر ہوتا تھا اور حاضرین پر گریہ طاری ہو جاتا تھا، خصوصاً مرض الوفات کی حدیث جس وقت پڑھتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آج ہی سانحۂ ارتحال پیش آیا ہے۔

(۳).....آپ کے درس میں جملہ سلف، ائمہ مجتہدین اور محدثین کرام کے ساتھ انتہائی ادب و عظمت کا معاملہ رہتا تھا، جس محدث یا فقیہ پر رد کرنا ہوتا اس کا اسم گرامی انتہائی عظمت کے ساتھ لیتے، مثلاً حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے رجال اور ان کے مذہب کے موافق دلیلوں سے اس طرح آنکھ بچا کر نکل جاتے ہیں جیسے انہیں خبر ہی نہ ہو، حالانکہ اسی راوی یا روایت کو اپنی کتاب میں دوسری کسی ایسی جگہ بطور استدلال ذکر فرماتے ہیں جہاں حنفیہ کو کوئی خاص فائدہ نہ پہنچتا ہو۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہ سب کچھ دلیل کے ساتھ فرمانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ اس سب کے باوجود ہم حدیث کے پڑھنے پڑھانے والوں پر حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جتنا احسان ہے اور کسی کا نہیں۔

۴).....ائمہ کے مذاہب کی تحقیق اور ان کے دلائل خصوصاً احناف کے مسلک کے دلائل کو تفصیل سے بیان فرماتے، اگر حدیث حنفیہ کے مسلک کے بظاہر خلاف نظر آتی تو اس کی ایسی توجیہات نقل فرماتے کہ مسلکِ حنفیہ حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا۔

۵).....اکثر اہم مسائل میں بطور خلاصہ نشان دہی فرما دیتے کہ اس میں پانچ یا سات یا دس ابحاث ہیں، پھر ہر ایک کی قدرے تفصیل فرماتے، ان میں جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے چھیڑا ہوتا اس کی مزید تشریح فرماتے۔

۶)......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ محدث ہونے کے باوجود بلند پایہ فقیہ ومجتہد بھی تھے، ان کی مجتہدانہ شان 'جامع صحیح' کے تراجم ابواب میں پنہاں ہے۔ تراجم ابواب کا مقصد، ابواب کے درمیان باہمی مناسبت اور باب کے تحت لائی جانے والی حدیثوں سے ان کی مطابقت ہر دور میں مشکل سمجھی گئی، شیخ کی کثرت ممارست اور خداداد ذکاوت کی بناپر ان تراجم کے دقائق ومعارف کی معرفت میں مہارت تامہ حاصل تھی، بلکہ مجموعی طور پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ اصول متعین فرمائے ہیں جن کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے، یہ اصول "الأبواب و التراجم" میں مذکور ہیں، ان اصولوں کی روشنی میں شیخ جب ابواب واحادیث میں مناسبت بیان فرماتے تو بات بآسانی سمجھ میں آجاتی۔

بعض تراجم پر تمام شراح خاموش ہیں مگر حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ امام موصوف کا کوئی ترجمہ دقتِ نظر سے خالی نہیں، مثلاً امام موصوف کا ترجمہ "باب الصلوٰۃ الی الحربۃ" پر سارے شراح خاموش ہیں مگر شیخ کی دو ررس نگاہ نے یہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علہ کی شایانِ شان ایک لطیف توجیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے، وہ یہ کہ چونکہ زمانہ جاہلیت میں ہتھیاروں کی پرستش ہوتی تھی، اس لیے اس ترجمہ سے امام موصوف اس وہم کو دور فرمارہے ہیں کہ نیزہ کوسترہ بنانے مین حرج نہیں ہے۔

۷)......حدیث پاک کے بعض الفاظ اور بعض جملے ایسے ہیں کہ ان کا مطلب لب ولہجہ اور صورتِ واقعہ کی مثالی صورت بنائے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا، اس لیے بھی اس فن کو کسی ماہر فن استاذ سے پڑھنا ضروری ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ اور جملوں کو اسی طرح پڑھ کر سناتے اور جہاں مثالی صورت بنانے کی ضرورت ہوتی وہاں عملی صورت بنا کر دکھاتے، مثلاً بخاری ۱/۶۹ پر "ووضع یدہ الیمنی علی الیسریٰ وشبك بین أصابعه، ووضع خدہ الأیمن علی ظهر کفه الیسری'' بغیر صورت مثالی بنائے ہوئے محض الفاظ سے مطلب ذہن میں نہیں آسکتا، اس کو خصوصیت سے عمل کر کے طلبہ کو دکھاتے۔

۸)...... "فاستو صوابهم خیرا" کے بموجب مہمانانِ رسول کی خیر خواہی اور نفع رسانی ہر وقت پیش نظر رہتی، آپ ایک جوہر شناس شخصیت کے مالک تھے، بعض ذہین اور محنتی طلبہ جن میں شیخ محسوس کرتے کہ یہ آگے چل کر کچھ کر سکتے ہیں ان کو درس کے علاوہ خصوصیت سے اپنے قریب بلاتے، ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، تربیت اور علمی رہنمائی میں کوئی کسر نہ چھوڑتے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے شاگردوں میں سے کئی ایک نے قابل رشک نمایاں کارنامے انجام دیے۔

۹)......تعلیم کے علاوہ طلبہ کی تربیت پر آپ کی خصوصی توجہ تھی، چنانچہ ان کے علم کو نافع بنانے کی غرض سے شیخ نے دس اصول بنائے تھے جن کو سال کے شروع میں بطور خاص تلقین فرماتے اور پورا سال ان پر اس شدت سے عمل کراتے کہ بوقت ضرورت پٹائی سے بھی دریغ نہ فرماتے، وہ دَس امور یہ ہیں:

۱)......غیر حاضری ان کے نزدیک ناقابل معافی جرم تھا۔

۲).....صف بندی کا اہتمام بہت ضروری تھا، اس میں بے ترتیبی انتہائی ناگوار تھی۔

۳).....ہر طالب علم کو شرعی وضع وقطع اختیار کرنا ضروری تھا، خصوصاً داڑھی کٹانے یا منڈانے والے کا تو گذر ہی نہیں تھا۔

۴).....دورانِ درس حدیث اگر ایسے الفاظ آتے جن کے معنی میں فحش پن یا گھناؤنا پن ہوتا تو شیخ اشارہ کنایہ کی بجائے ان کا ترجمہ ٹھیٹھ اردو بلکہ علاقائی زبان میں کھل کر فرماتے، جیسے "امصص بضر اللات" جیسے الفاظ اور جملے، اس پر اگر کسی نے ذرا بھی مسکرا دیا تو اس کی خیریت نہ ہوتی، بقول حضرت شیخ: "میں اس کی جان کو آجاتا۔"

۵).....کتاب کا حد درجہ ادب واحترام ضروری تھا، چنانچہ اس پر کہنی وغیرہ رکھ دینا قطعاً برداشت نہ تھا۔

۶).....دورانِ درس طالب علم کا اونگھنا یا ہاتھ پر منہ رکھ کر سونا تو اس سے بڑی گستاخی تھی۔

۷).....طالب علم کی نشست مؤدب ہونی ضروری تھی، چنانچہ چوکڑی مار کر یا ٹیک لگا کر بیٹھنا سخت جرم تھا۔

۸).....طالب علم کا لباس اس قسم کا ہونا ضروری تھا جو صلحاء وعلماء کے شایانِ شان ہے اور لباس وحلیہ میں کسی بھی طرح سے غیروں کی نقالی نہیں ہونی چاہیے۔

۹).....ہر طالب علم کو سخت ہدایت تھی کہ جملہ ائمہ حدیث اور ائمہ فقہ کے ساتھ نہایت ادب واحترام کا معاملہ ضروری ہے، تکرار اور آپس کی گفتگو میں ہرگز کوئی ایسا جملہ منہ سے نہ نکلے جس سے ان میں سے کسی کی کسرِ شان ہو۔

۱۰).....اس بات کی تاکید کہ کبھی کسی طالب علم کو کوئی اشکال ہو تو شیخ کے معاصر مدرسین کی بتائی ہوئی بات ان کے نام کی صراحت کے ساتھ ہرگز نہ پیش کرے، مبادا دونوں میں سے کسی کی کسرِ شان ہو۔

(آپ بیتی نمبر ۶، ص ۴۹۷ تا ۵۳۷)

☆☆☆

تاریخ نویسی ہو یا آپ بیتی، بنیادی چیز مقصد کی تلاش ہے۔ اگر مقصدیت کا فقدان ہو تو تاریخ نویسی اور آپ بیتی محض واقعات کا ڈھیر ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی آپ بیتی کی شان یہ ہے کہ مقصدیت اور روحانیت باہم شیر وشکر ہیں۔ پھر چوں کہ آپ بیتی کا مؤلف حقیقت نواز بھی ہے اور دیانت دار بھی، باغ نبوت کی نکہتوں سے معطر بھی ہے اور چشمہ قرآن سے فیض یاب بھی، صاحب دل بھی ہے اور صاحب عشق بھی، عشق کی طاقت ہی دراصل وہ طاقت ہے جو تحریر میں تاثیر پیدا کر کے لکھنے والے کو جاوداں بنا دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ 'سعید روحیں' آپ بیتی" کے مطالعہ سے اپنے دل کی دنیا آباد کرتی اور عبرت وموعظت کے موتی چنتی ہیں۔

علوم حدیث میں اختصاص، اہمیت وضرورت

مولانا محمد یاسر عبداللہ

علوم حدیث.....ایک بحر بیکراں:

تاریخ اسلام کے قرون اولیٰ میں علمائے حق نے دین کے بنیادی مآخذ کی حفاظت وصیانت کی خاطر جن نئے علوم وفنون کی داغ بیل ڈالی ہے، ان کا ایک معتد بہ حصہ مختلف جہات اور متنوع عنوانات سے معنون ہوکر ''علوم حدیث'' کی صورت زندہ وتابندہ ہے، عنوان کی سادگی کی بنا پر ظاہر بینوں کو پہاڑ، رائی کی مانند دکھنے لگتا ہے، لیکن حقیقت سے آشنا طبائع اس بحر بیکراں میں غوطہ زن ہوکر انگشت بدنداں رہ جاتی ہیں، علم کا جو شیدائی بھی اس سفر پر روانہ ہوا تو متاع حیات تسلیم کر کے بھی تشنہ لبی پر شکوہ کناں نظر آیا، ان علوم کی وسعت کے اجمالی تعارف کے لیے چھٹی صدی ہجری کے معروف محدث وفقیہ، امام ابوبکر زین الدین حازمی رحمہ اللہ (۵۴۸ھ-۵۸۴ھ) کے اس فرمان پر نگاہ ڈالیے:

"علم الحديث يشتمل على أنواع كثيرة، تقرب من مائة نوع، ذكر منها طائفة ابوعبدالله الحافظ رحمة اللّه عليه في "معرفة علوم الحديث"، وكل نوع منها علم مستقل لوأنفق الطالب فيه عمره لما أدرك نهايته، لكن المبتدى يحتاج أن يستطرف من كل نوع؛ لأنها أصول الحديث، ومتى جهل الطالب الأصول تعذر عليه طريق الوصول"۔(۱)

یعنی ''علم حدیث کی سو کے لگ بھگ انواع ہیں، حافظ ابوعبداللہ (حاکم) رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "معرفة علوم الحديث" میں ان انواع میں سے معتد بہ تعداد ذکر کی ہے، اور ہر نوع مستقل علم کی حیثیت رکھتی ہے، (بعض انواع ایسی ہیں کہ) اگر طالب علم پوری حیات مستعار انہیں میں صرف کر ڈالے تب بھی انتہا کو نہ پا سکے گا، لیکن مبتدی کو چاہیے کہ ہر نوع سے معتد بہ استفادہ کرے؛ اس لیے کہ یہ حدیثی اصول ہیں، اور طالب علم اصول سے ہی نابلد ہو تو مقصود تک پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے''۔

کچھ احوال واقعی:

مرور زمانہ کے ساتھ اب یہ سمجھانا بھی دشوار ہوچلا ہے کہ ان علوم میں زندگیاں کھپانے کی ضرورت آخر کیا ہے؟ بہتیرے طلبائے علم، درس نظامی کی تکمیل کے بعد یہ سوال پوچھتے نظر آتے ہیں کہ محدثین نے جب بازی جیت لی ہے تو پھر ''تخصص فی علوم الحدیث'' کی بھلا ضرورت ہی کیا ہے؟ اس صحرانوردی سے ہمیں کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں؟ یہ اختصاص ہمیں مستقبل میں کس جہت سے نمایاں مقام دلاسکتا ہے؟.....

علم کے تنزل کے دور میں اس نوع کے سوالات تعجب خیز نہیں ہوا کرتے، ایسے وقت بدیہی امور نظری بن ہی جایا کرتے ہیں، کچھ قصور ان نادان دوستوں کا بھی ضرور ہے جو سفر سے واپسی پر راہ کی حسین وادیوں کی واقعی وحقیقی منظر کشی نہ کر سکے، یا طبعی کسل کی بنا پر خرگوش کی مانند آخری گھڑیوں کے انتظار میں فرصت زریں کھو بیٹھے اور اقبال کے الفاظ میں ''چند کلیوں پر ہی قناعت کر آئے''، ایسے میں کسی نوخیز نے کارگذاری پوچھی تو چند نابیناؤں کی طرح قوت لامسہ کے ذریعے ہاتھی کی دم، پیر اور شکم، جسم چھو کر محسوس کیا، اسی کا دم بھرتے نظر آئے، اور علم کی متلاشی پیاسی طبیعتیں اس ''جہت'' کو تھوڑا خیال کر کے قدم بڑھا گئیں، یوں ذہانتوں کی بے توجہی سے میدان علم میں در آنے والا خلا وسیع ہوتا چلا گیا۔

منظر کی دُھندلاہٹ میں کچھ دخل رویوں کے افراط وتفریط کا بھی ہے، بعضے ان علوم کی عظمت تلے دب کر یوں مغلوب ہوئے کہ دیگر میادین علم سے مستغنی دکھائی دیئے، غلبہ حال میں یہ مسلمہ حقیقت نگاہ سے اوجھل ہوگئی کہ سبھی علوم اسلامیہ اپنا سرمایہ ہیں، باہم مربوط ہونے کی بنا پر ایک دوسرے کے محتاج ہیں، اور طبعی رجحانات کی تقسیم، تکوین کا کرشمہ ہے، جس سے ہر میدان کی رکھوالی مقصود ہے، ایک جماعت اس راہ سے خوابیدہ یا نیم چشیدہ ہی گذری اور جو لوٹی تو اپنی ''پھوٹی کوڑی'' کو یواقیت وجواہر جان کر سلف کی جاں گسل جدوجہد پر ''دو حرف'' پڑھتے سنائی دی۔

''اپنوں'' کی اس بے اعتنائی میں ''غیروں'' کی اڑائی ''گرد'' کا کردار بھی بھولنے جیسا نہیں، کچھ خالی ذہن تھے، سو جتنے جام تھمائے گئے، مخمور ہو کر انہیں کے گن گاتے نظر آئے، بعض عقلیت پسند تھے تو انہیں من بھاتی عقلی موشگافیاں ''خوابیدہ ضمیر'' کی آواز لگیں، بھول گئے کہ واردان خوان نبوت، علم وتقویٰ کے شناور ہونے کے ساتھ ''روایت ودرایت'' اور ''عقل ونقل'' کے اسلحے سے بھی لیس تھے، وہ کھرا کھوٹا جانتے تھے اور انسانی وسعت کے دائرے میں اپنا فرض نبھا گئے ہیں، شکووں کی یہ داستاں طویل ہے اور دراز گوئی کا یہ موقع نہیں، مدعا صرف یہ ہے کہ ''علوم حدیث'' کے اس میدان میں جانبازوں کی قلت کے کچھ داخلی وخارجی اسباب وعوامل بھی ہیں۔

اختصاص کیوں ضروری ہے؟

علوم اسلامیہ کی دنیا وسیع وعریض ہے، دور قدیم میں طبائع باہمت، حوصلے بلند و بالا، صحتیں تنومند وتوانا اور حافظے مضبوط ہوا کرتے تھے، تو بیک وقت علوم عقلیہ ونقلیہ کی جامع شخصیات بھی موجود رہتی تھیں، عہد رفتہ کے ساتھ صلاحیتیں ضعف کا شکار ہوتی گئیں تو جامعیت کی شان بھی ندرت کا شکار ہوتی ہوگئی، یوں اختصاصی مہارتوں کی ضرورت بڑھتی چلی گئی، اختصاصی مہارتوں کی اہمیت بتلانے کو زبان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلے ان الہامی جملوں میں پنہاں اشارے قابل غور ہیں:

"عن أنس بن مالك قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أرحم امتى بامتى ابوبكر، وأشدهم فى أمر اللّٰه عمر، وأصدقهم حياءً عثمان بن عفان، وأعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل، وأفرضهم زيدبن ثابت، وأقرؤهم أبى بن كعب، ولكل أمة أمين، وأمين هذه االأمة ابوعبيدة بن الجراح"۔(۲)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ راوی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت کے سب سے رحم دل انسان ابوبکر، حکم خداوندی کے معاملے سب سے سخت عمر، سب سے باحیا عثمان بن عفان، سب سے زیادہ حلال وحرام کے مسائل جاننے والے معاذ بن جبل، علم فرائض کے سب سے بڑے عالم زید بن ثابت، اور سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں، اور ہر امت کا ایک امین ہوا کرتا ہے، میری امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔'' رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

محدثین اس حدیث کو عام طور پر ''مناقب صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے ذیل میں ذکر کرتے ہیں، اس لیے کہ اس میں یکجا کئی کبار صحابہ کے مقام ومرتبہ اور ان کے امتیازی اوصاف وخصوصیات کا بیان ہے، ''اشارۃ النص'' کے طور پر اس حدیث سے یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ ''اختصاص'' کی بنیاد عہد نبوت میں ہی ڈال دی گئی تھی، چنانچہ مذکورہ روایت میں حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کے اختصاصی علوم کی جانب واضح اشارہ ملتا ہے۔ یوں بھی دور حاضر کو اختصاص (اسپیشلائزیشن specialization) کا عہد کہا جاتا ہے، بلکہ اب نوبت اس سے بڑھ کر ذیلی اختصاص (سب اسپیشلائزیشن sub specialization) تک جا پہنچی ہے، چنانچہ آج علاج کے سلسلے میں بھی جنرل ڈاکٹر کے بجائے متخصص (اسپیشلسٹ specializatist) سے ہی رجوع کیا جاتا ہے، اس بنا پر علوم دنیویہ کی مانند علوم اسلامیہ میں بھی فطری طور پر یہی رویہ عین فطرت کے مطابق ہے کہ ضروری علوم میں کلی وبنیادی معلومات کے حصول کے بعد کسی ایک علم وفن میں کمال حاصل کیا جائے، کیونکہ ہر ایک علم وفن میں دقت رسی دشوار ہی نہیں، کہا جاسکتا ہے کہ آج کے دور میں ناممکن ہے، فقہ ظاہری کے امام اور پانچویں صدی کے نامور

عالم، حافظ ابومحمد علی بن حزم اندلسی رحمہ اللہ (۳۸۴ھ۔۴۵۶ھ) اپنی کتاب "مراتب العلوم" میں اس پہلو پر بحث کرتے ہوئے کچھ یوں رقم طراز ہیں:

"من طلب الاحتواء على كل علم أوشك أن ينقطع وينحسر، ولايحصل على شيئ۔ وكان كالمحضر الى غيرغاية، اذ العمريقصر عن ذلك۔ وليأخذ من كل علم بنصيب، ومقدار ذلك:معرفته بأعراض ذلك العلم فقط، ثم يأخذ ممابه ضرورة الى مالابدله من، كماوصفنا، ثم يعتمد العلم الذى يسبق فيه بطبعه وبقلبه وبحيلته، فيستكثر منه ماأمكنه، فربما كان ذلك منه فى علمين أو ثلاثة او أكثر، على قدر ذكاء فهمه، وقوة طبعه، وحضورخاطره، واكبابه على الطلب"۔(۳)

''جس کسی نے بھی ہر علم میں مہارت حاصل کرنے کا ارادہ کیا وہ ختم ہو کر رہ گیا اور کچھ حاصل نہ کر پایا، اس کی مثال اس تیز رفتار شخص کی مانند ہے جس کی کوئی منزل نہ ہو؛ اس لیے کہ متاع حیات بہت تھوڑی ہے، لہذا ہر علم میں سے کچھ حصہ حاصل کرنا چاہیے، یعنی اس کے بنیادی مقاصد کی معرفت کے بعد ضروری مباحث کو حاصل کرے، بعدازاں جس علم کی جانب طبعی وقلبی میلان اور رجحان ہو اس میں حتی الامکان مزید محنت وکوشش سے کام لے، یوں فہم وذکاوت، طبعی قوت، جمعیت خاطر اور یکسوئی کے بقدر کم وبیش دو تین علوم میں ہی مہارت حاصل کر سکے گا''۔

ذرا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو ہمارے سلف میں یہی رجحان پایا جاتا تھا، جلیل القدر امام لغت ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ (۱۵۷ھ۔۲۲۴ھ) کا کہنا ہے:

"ماناظرنى رجل قط وكان مفننا فى العلوم الا غلبته، ولاناظرنى رجل ذوفن واحد من العلوم الا غلبنى فيه"۔(۴)

''جب بھی کسی متعدد علوم پر نگاہ رکھنے والے عالم سے مناظرے کی نوبت آئی تو میں غالب رہا، لیکن ایک فن کے ماہر کو ہمیشہ اس فن میں مجھ پر غلبہ حاصل رہا ہے''۔

چنانچہ متقدمین کے دور سے ہی حدیث کے سلسلے میں محدث کی اور فقہ واستنباط کے پہلو سے فقیہ کی رائے ہی معتبر قرار پاتی تھی، کوئی بعید نہیں کہ علوم اسلامیہ کی تدوین کے ابتدائی ادوار میں ''فقہ'' کی وسعت کے تین مختلف زاویوں (عقائد وکلام، فقہ اصطلاحی اور تزکیہ واحسان) میں سمٹنے کے پس پشت یہی فکر کارفرما رہی ہو، اس پہلو سے علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ (۹۰۹ھ۔۹۷۳ھ) کا یہ جملہ ان گنت پیچیدہ گتھیاں سلجھا سکتا ہے:

"من غلب عليه فن يرجع اليه فيه دون غيره". (۵)

''جس عالم پر کوئی ایک فن غالب ہو تو اسی فن سے متعلق ان سے رجوع کیا جائے گا، دیگر علوم میں ان سے رہنمائی

نہیں لی جائے گی''۔

برصغیر کے نامور محقق عالم مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ (۱۲۶۴ھ۔۱۳۰۴ھ) رقم طراز ہیں:

"ان اللّٰہ تعالی جعل لکل مقام مقالا ولکل فن رجالا، وخص طائفة من مخلوقاته بنوع فضیلة لاتجد فی غیره، فمن المحدثین من لیس لهم حظ الا روایة الأحادیث ونقلها من دون التفقه والوصول الی سرها، ومن الفقهاء من لیس لهم حظ الا ضبط للمسائل الفقهیة من دون المهارة فی الروایات الحدیثیة، فالواجب أن ننزل کلا منهم فی منازلهم، ونقف عندمراتبهم"۔(۶)

''اللہ تعالی نے ہر موقع کے مناسب کلام اور ہر فن کے لائق مردان کار پیدا کیے ہیں، اپنی مخلوقات میں سے بعض کو خاص نوع کی فضیلت بخشی ہے، جو باقی مخلوق میں نہیں، بعض محدثین کو محض احادیث کی روایت نقل کا مشغلہ نصیب ہوا ہے، حدیث کی فقہ اور اسرار تک ان کی رسائی نہیں، یونہی فقہا کی ایک جماعت مسائل فقہیہ کے ضبط میں مصروف رہی ہے، انہیں حدیثی روایات میں مہارت حاصل نہ تھی، لہذا ہر ایک طبقہ کو اس کا جائز مقام دینا اور ان کے مراتب کی حدود پر قائم رہنا ضروری ہے''۔

جب ہر فن میں صاحب فن کا قول ہی معتبر ٹھہرا تو ہر دور میں ہر فن کے متخصصین کا وجود بھی ناگزیر قرار پاتا ہے، پھر جبکہ علوم آلیہ بلکہ علوم عقلیہ محضہ کے شناوران پر زندگیاں نچھاور کر رہے ہوں تو علوم عالیہ اور خصوصا علوم حدیث پر جان کاری کی اہمیت مخفی نہ رہنی چاہیے، بلاشبہ کسی بھی علم وفن کی اہمیت سے انکار نہیں، لیکن "أعط کل ذی حق حقه"(۷) (ہر حق دار کو اس کا جائز حق دو) کے مخاطبین سے واجب حق کی ادائیگی کا سوال بھی اہل عقل کے ہاں یقیناً غیر دانشمندانہ شمار نہ ہوگا، تعلیم کے انتہائی مرحلے میں طبعی رجحانات ومیلانات کو پیش نظر رکھ کر صلاحیتوں کی تقسیم کے لمحات میں ہر میدان کی علمی ضروریات کو دیکھتے ہوئے منصفانہ تقسیم کا مطالبہ عین فطرت ہے اور یہی ان گذارشات کا مقصود ہے۔

''تخصصات'' کے سلسلے میں ایک عمومی اشکال سننے میں آتا ہے کہ قدما میں تو یہ طریقہ رائج نہیں رہا، آخر اس کی کیا ضرورت ہے؟ عرض یہ ہے کہ بلاشبہ قدما کے ہاں مروجہ طرز پر ''تخصصات'' کا رواج نہ تھا، لیکن امت مسلمہ کی علمی وتعلیمی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی رسمی طالب علمی سے فراغت کے بعد طلبا کو جس فن سے قلبی وابستگی ہوتی تو اس فن کے ماہر کے ہاں جا کر مزید رسوخ حاصل کیا کرتے تھے، عصر حاضر میں چونکہ انفرادی تعلیم کا یہ سلسلہ دشوار ہو چلا ہے، اس بنا پر مدارس وجامعات میں انتظامی طور پر اصحاب فن کی نگرانی میں شعبے کھول کر طلبائے علم کو استفادے کی دعوت دی جاتی ہے، گویا زمانے کے چلن کی بنا پر اسلوب ومنہج کا فرق ہے، جبکہ

حقیقت وہی ہے جو قدما سے چلی آرہی ہے۔

علوم حدیث میں اختصاص کی ضرورت:

مندرجہ بالا تفصیل سے اجمالی طور پر دیگر علوم کی طرح علوم حدیث میں اختصاص کی اہمیت وضرورت بھی واضح ہوگئی، اس سلسلے میں چند مزید گذارشات نکات کی صورت پیش کی جاتی ہیں:

۱.....قرآن کریم کے بعد دین کا دوسرا بنیادی ماخذ ''حدیث وسنت'' ہے، اس لیے حفظ مراتب کے پہلو سے بھی قرآن وعلوم قرآن کے بعد علوم حدیث زیادہ توجہات کے مستحق ہیں، شاید اسی بنا پر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (۱۲۹۲ھ-۱۳۵۲ھ) کے فرزند نسبتی اور ان کے افادات پر مشتمل ''انوار الباری شرح صحیح بخاری'' کے مرتب مولانا احمد رضا بجنوری رحمہ اللہ کا تجزیہ ہے: ''میرے نزدیک علوم اسلامیہ میں سب سے زیادہ اہم اور مشکل، حدیث ہی کا تخصص ہے''۔(۸)

درس نظامی کے مختلف درجات میں کتب صحاح سمیت دیگر کتب حدیث اور اصول حدیث کی کتب شامل نصاب ہیں، جن سے علوم حدیث سے بنیادی شناسائی تو ضرور پیدا ہوجاتی ہے، لیکن دیگر علوم کی طرح اختصاصی مہارت تک رسائی حاصل نہیں ہوتی، لہذا جیسے ''تخصص فی التفسیر واصولہ''، ''تخصص فی الفقہ والافتاء''، ''تخصص فی الادب العربی''، ''تخصص فی الدعوۃ والارشاد'' اور ''تخصص فی العلوم العقلیۃ'' کی ضرورت بجا طور پر محسوس کی جاتی ہے، وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ ذہین فضلا کی ایک جماعت ''تخصص فی علوم الحدیث'' کی جانب متوجہ ہو، اور اس جہاں میں زندگی کھپا کر امت مسلمہ کی طرف سے فرض کفایہ کی ادائیگی کا ذریعہ ثابت ہو، اس نکتے کو پیش نظر رکھتے ہوئے گرد وپیش پر نگاہ ڈالی جائے تو افراد کی جتنی تعداد دیگر میدانوں میں نظر آتی ہے، علوم حدیث میں اختصاصی مہارتوں کی جانب ویسی توجہات نہیں۔

۲.....عصر حاضر میں علوم حدیث کے بہت سے پہلو بے اعتنائی کا شکار ہیں، مثلا: رجال احادیث، جرح وتعدیل، ضبط اسمائے روات، غریب الحدیث، اسباب ورود احادیث، ناسخ ومنسوخ، اور احادیث الاحکام وغیرہ، پہلے گذر چکا کہ علوم حدیث ایک وسیع میدان ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ان علوم کی چورانوے (۹۴) انواع ذکر کی ہیں، ان میں سے ہر نوع پر مستقل کتب کی تالیف سے اسلامی کتب خانے میں ایک بہت بڑا ذخیرہ وجود میں آیا ہے، اور روز بروز اس میں مختلف جہات سے ترتیب وتدوین، تلخیص واختصار اور مختلف مباحث کے حوالے سے اٹھنے والے نئے اشکالات وسوالات کا جواب دینے کے لیے لکھا جانے والا لٹریچر بڑھ رہا ہے، جن کے تعارف، مناہج کی پہچان اور استفادہ کے طریقہ کار کی معرفت کا رے دارد، ''علوم حدیث میں اختصاص'' کا ایک اہم

مقصد اس قیمتی ذخیرے کا تعارف اور ہر علم وفن میں لکھی گئی کتب کے مناہج کی معرفت بھی ہے، تاکہ اس قیمتی ذخیرے سے واقفیت حاصل کرنے کے نئے مباحث میں امت مسلمہ کی رہنمائی کی جاسکے۔

۳..... ہر دور کی طرح دور حاضر میں بھی عوام اور خواص کے مختلف حلقوں میں شدید ضعیف اور موضوع احادیث کا چلن ہے، موضوعات کے اس شیوع میں کھرے کھوٹے کی تمیز کر کے عوام وخواص میں اس کا شعور بیدار کرنے کرنا بھی ایک اہم عمل ہے، نیز فتن ودیگر موضوعات کی بے شمار روایات کا صحیح فہم نہ ہونے کی بنا پر غلط فہمیوں کا ایک طوفان برپا ہے، محتمل روایات کے مصداقات کی تعیین کے ذریعے بھی فتنہ وفساد کی راہیں وا کی جارہی ہیں، اس صورت حال کی بنا پر عوام میں جو بے چینی اور ہیجان کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے، اصحاب فہم ودانش اس کا ادراک بھی کررہے ہیں، لیکن اس پہلو سے علمی کام کر کے ''تشکیک'' کی اس فضا کو ختم کرنے والے مردان جفا کار کو اکھیاں تک رہی ہیں اور انتظار کی یہ طویل شب عرصے سے صبح کی نوید مسرت سننے کو بے تاب ہے۔

۴.....اصول حدیث کی متداول کتب، محدثین اور خصوصا فقہ شافعی کی نمائندہ شمار کی جاتی ہیں، جن کے بہت سے مباحث میں فقہائے حنفیہ کی آرا محدثین سے مختلف ہیں، اور درس نظامی کا عام فاضل محض حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (۷۷۳ھ-۸۵۲ھ) کی ''نزهة النظر شرح نخبة الفكر'' یا علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (۸۴۹ھ-۹۱۱ھ) کی ''تدريب الراوی فی تقريب النواوي'' پڑھ کر حدیثی مباحث میں محدثین وشافعیہ کی آرا کو پیش نظر رکھتے ہوئے بہت سی الجھنوں کا شکار رہتا ہے، امر واقعہ یہ ہے کہ فقہائے احناف کی اصولی آرا ہماری اصول فقہ کی ''كتب السنة'' کے ضمن میں زیر بحث آتی ہیں، وہاں اس جانب توجہات مبذول نہیں رہتیں، نیز احناف کے ہاں اس پہلو سے مستقل کام بھی کم ہے، ان اسباب کی بنا پر نصابی تعلیم کے دوران اصول حدیث کے پہلو سے خلا باقی رہ جاتا ہے، جبکہ اختصاصی شعبوں میں اس کمی کی تلافی کی کوشش کی جاتی ہے، علوم حدیث کے نامور عالم ومحقق مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ (۱۴۲۰ھ) کا درج ذیل بیان پڑھیے:

''حنفی عالم کو محدثین کی مصطلح کے علاوہ اصول فقہ کی کتابوں میں جو سنت کی بحث ہے، اس کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہیے، خصوصا بحاص کی اصول فقہ، سرخسی اور بزدوی رحمہم اللہ کی کتابوں میں جو سنت کی بحث ہے، وہ پیش نظر رہے کہ ہمارے ہاں نقد حدیث کے وہی اصول ہیں جو ان کتابوں میں مذکور ہیں، وہ نہیں جو ابن صلاح اور بعد کے لوگوں نے بنائے ہیں، اس سلسلے میں ''کشف بزدوی'' اور ''اصول سرخسی'' کا مطالعہ بہت ضروری ہے''۔(۹)

۵.....''تخصص فی علوم الحدیث'' کے ان شعبوں کا ایک بنیادی مقصد علم حدیث کی تدریسی استعداد کے ساتھ تالیفی صلاحیت پیدا کرنا بھی ہے، اصحاب نظر جانتے ہیں کہ مسلمانوں کا موجود مطبوعہ کتب سے کئی گنا بڑا ذخیرہ

مخطوطات کی صورت میں مسلم وغیر مسلم دنیا کے مختلف سرکاری، ادارتی اور نجی کتب خانوں میں پردہ اخفا کی نذر ہے، ایسے میں پختہ وذی استعداد مدرسین کے ساتھ تحقیق مخطوطات کے ماہر اور عمدہ تالیفی صلاحیتوں کے حامل فضلا بھی علمی میدان کی ضروت ہیں، مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ نے ایک موقع پر لکھا تھا ''تخصص کی دو شکلیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ طالب علم درس کے سلسلے میں استعداد پیدا کر سکے، اور وہ ''التخصص فی درس الحدیث'' کا اہل ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ لوگوں میں تصنیف وتالیف کی اہلیت ہو، ان کے تخصص کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی خاص موضوع پر کسی کتاب کی تالیف کر سکیں، یا حدیث کے کسی مخطوطے کی تصحیح کر سکیں، اس پر تعلیقات وحواشی لکھ سکیں''۔(۱۰)

۶.....سابقہ نکات کے ضمن میں یہ پہلو بھی اہم ہے کہ حدیث کی حجیت اور شرح وبیان کے حوالے سے مختلف طبقات کے اشکالات وجوابات کا سلسلہ ایک عرصہ سے جاری ہے، منکرین حدیث بھی اپنی مردہ اسکیم میں جان ڈالنے کی خاطر نت نئے مباحث چھیڑ کر سادہ لوح مسلمانوں میں تشکیکی جراثیم پیدا کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں، اس پر مستزاد بعض مسلم دانشور بھی اپنی کم فہمی کی بنا پر شبہات میں مبتلا ہو کر دانستہ ونادانستہ طور پر عوام میں ان کی اشاعت کی سرگرمیوں میں مصروف عمل ہیں، اس صورت حال نے آج پرانی بحثوں کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔ اس وقت عرب وعجم میں متنوع حدیثی موضوعات پر کتب ومقالات لکھے جا رہے ہیں، سیمینارز اور کانفرنسیں ہو رہی ہیں، برصغیر میں بھی اس پہلو پر کام کیا جا رہا ہے، لیکن جدید چیلنجز کی بنا پر بہت سے تشنہ پہلوؤں پر قدیم ذخیرے کی روشنی میں عوام اور عصری تعلیم یافتہ طبقوں کی ذہنی سطح کو سامنے رکھتے ہوئے علمی وتحقیقی لٹریچر کی ضرورت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی تخصص فی الحدیث کے سلسلے میں خدمات:

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ برصغیر میں علوم حدیث میں اختصاص کے لیے مستقل شعبہ کی بنیاد ڈالنے میں پہل کا اعزاز جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کو حاصل ہے، محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ (۱۳۹۷ھ) نے ۱۳۸۳ھ بمطابق ۱۹۶۳ء میں اس شعبے کی بنیاد ڈالی، اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ (۱۴۰۹ھ) کو نگران مقرر فرمایا، بعد ازاں مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ اور ان کے بعد استاذ محترم مولانا محمد عبدالحلیم چشتی مدظلہ (فاضل دارالعلوم دیوبند) تا حال مشرف کے منصب پر فائز ہیں۔

اس شعبے کے پچاس سالوں میں دسیوں تحقیقی مقالات لکھے گئے، جن کی ایک فہرست مولانا علی احمد ومولانا صہیب ضیاء (متخصصین فی علوم الحدیث جامعہ) کی محنت وکوشش سے سہ ماہی ''تحقیقات حدیث'' (۱۱) میں چھپ چکی ہے، جس میں ۸۸ مقالات کا ذکر ہے، ان کے علاوہ بھی بہت سے مقالات کی فہرست جامعہ کے ریکارڈ میں موجود ہے۔

حضرت بنوری رحمہ اللہ کی خواہش تھی کہ یہاں تحقیقی مقالات لکھے جائیں اور طبع ہوکر علمی ذخیرے میں موجود خلا کو پر کریں، چنانچہ جامعہ کے اس شعبے میں لکھے جانے والے بہت سے مقالات ملک و بیرون ملک کے مختلف اشاعتی اداروں سے طبع ہوکر عام ہو چکے ہیں، جن میں سے چند معروف مقالات کا تعارف درج ذیل ہے:

۱۔"السنة ومكانتها في ضوء القرآن الكريم "ازمولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ (۱۹۹۷ء): یہ مقالہ حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ کی نگرانی میں لکھا گیا ہے۔ اس دور میں انکار حدیث کے فتنے نے سر اٹھایا، جس میں قرآن کریم کی آڑ میں ذخیرہ حدیث کو بے وقعت بنانے کے مذموم مقاصد کارفرما تھے، اس لیے اس مقالے میں قرآن کریم کی روشنی میں سنت نبویہ کی حیثیت و مرتبہ متعین کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، اصل عربی مقالہ ''مکتبہ بنوریہ'' سے اور اردو ترجمہ ۱۴۰۰ھ میں جامعہ کے اشاعتی شعبے ''مجلس دعوت وتحقیق اسلامی'' سے طبع ہو چکا ہے۔

۲۔"مسانيد الامام ابي حنيفة وعدد مروياته من المرفوعات والآثار "ازمولانا محمد امین اورکزئی شہید رحمہ اللہ (۲۰۰۹ء): یہ مقالہ بھی حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ کے اشراف میں لکھا گیا ہے، اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا حدیثی مقام، ان کی بیس سے زائد ''مسانید'' کا تعارف وتجزیہ اور ان میں جمع شدہ روایات کی تعداد بیان کی گئی ہے، ۱۳۹۸ھ میں ''مجلس دعوت وتحقیق اسلامی'' سے اور بارِ دگر مولانا شہید کے ادارے ''جامعہ یوسفیہ شاہووام ہنگو'' سے اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔

۳۔الكتب المدونة في الحديث وأصنافها وخصائصها "ازمولانا محمد زمان کلاچوی: مقالے کا موضوع عنوان سے ظاہر ہے، حضرت بنوری رحمہ اللہ کی خواہش تھی کہ کتب حدیث کے تفصیلی تعارف پر مشتمل کتاب ترتیب دی جائے، یہ مقالہ اسی خواہش کی ایک تکمیلی کوشش ہے، "المصنفات في الحديث " سے اردو ترجمہ نوشہرہ کی ''القاسم اکیڈمی'' نے نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے۔

۴۔ الكلام المفيد في تحرير الاسانيد "ازمولانا روح الامین بنگلہ دیشی: مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ کی زیر نگرانی لکھے گئے اس مقالے میں بنیادی طور پر مولانا نعمانی کی اور اس ضمن میں اکابر علمائے دیوبند کی اسانید کو یکجا کرنے کی سعی کی گئی ہے، علمائے دیوبند کے ''اثبات'' میں اس کتاب کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ پہلے پہل ۱۴۲۵ھ میں ''مکتبہ حجاز دیوبند'' سے اور دوسری بار کچھ عرصہ قبل ''زمزم پبلشرز'' کراچی سے طبع ہو چکا ہے۔

۵۔ "أحاديث تلاميذ الامام وأحاديث العلماء الأحناف في صحيح البخاري "ازمولانا

مفیض الرحمٰن چاٹگامی: فقہائے احناف پر حدیث سے دوری کا ایک بے بنیاد اتہام باندھا جاتا ہے، استاذ محترم مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی مدظلہ کے اشراف میں لکھے گئے اس مقالے میں ذخیرہ حدیث کی معتبر ترین کتاب ''صحیح بخاری'' میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ اور دیگر حنفی فقہا کی سند سے مذکور روایات کو جمع کیا گیا ہے، "الوردة الحاضرة" کے نام سے ''زمزم پبلشرز'' سے شائع ہو چکا ہے۔

۶۔ "ثنائيات الامام الأعظم ابي حنيفة " از مولانا عبدالعزیز یحی سعدی: امام بخاری رحمہ اللہ کی ''صحیح'' میں بائیس ''ثلاثیات'' (جن روایات میں امام بخاری رحمہ اللہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان محض تین واسطے ہیں) ہیں، اور محدثین کے ہاں ایسی روایات کی زیادہ اہمیت ہوتی ہے، جن کی سند میں واسطے کم ہوں، استاذ محترم مولانا چشتی مدظلہ کی نگرانی میں تحریر کیے گئے پیش نظر مقالے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی (۲۱۹) ''ثنائیات'' (جن روایات میں امام عالی مقام اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں محض دو واسطے ہیں) جمع کی گئی ہیں، پہلی بار کراچی سے اور بعد ازاں ۱۴۲۶ھ میں "الامام ابو حنيفة و ثنائياته" کے نام سے بیروت کے معروف اشاعتی ادارے" دار الكتب العلمية" سے عالم عرب کے محقق عالم ڈاکٹر نورالدین عتر حفظہ اللہ کی گراں قدر تقریظ کے ساتھ طبع ہو کر عام دستیاب ہے۔

۷۔" الجمع بين الآثار" از مولانا ایوب رشیدی: یہ مقالہ بھی استاذ محترم مولانا چشتی مدظلہ کے دور اشراف میں لکھا گیا ہے، اس میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کی "كتاب الآثار" کی روایات کو جمع کر کے ان کے رجال پر کلام کیا گیا ہے، ابتدا میں استاذ محترم کے قلم سے لکھا گیا مقدمہ ایک تحقیقی مقالے کی شکل اختیار گیا ہے، اس مقدمے کے اردو ترجمے کا ایک حصہ سیرت طیبہ کے متعلق مولانا ڈاکٹر عزیز الرحمٰن کی ادارت میں شائع ہونے ششماہی ''السیرۃ'' (۱۲) میں قسط وار چھپ چکا ہے، امید ہے کہ ان شاء اللہ جلد ہی مستقل کتابی صورت میں طبع ہوگا، جبکہ اصل عربی مقالہ حال ہی میں "لمحات من التربية الفقهية في خير القرون" کے نام سے اردن کے اشاعتی ادارے "دار الفتح" سے چھپا ہے، مولانا رشیدی کا مقالہ ۱۴۲۶ھ میں ''زمزم پبلشرز'' سے چھپ کر عام ہو چکا ہے۔

۸۔"الفقه في السند" از مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی: وادی مہران میں فقہ اسلامی کے نمو وارتقا اور یہاں کے اہل علم کی فقہی خدمات کے جائزہ، تعارف وتبصرہ کے حوالے سے لکھے گئے اس مقالے کا اردو ترجمہ ''القاسم اکیڈمی'' نوشہرہ سے شائع ہوا ہے۔

۹۔''دراسات في أصول الحديث على منهج الحنفية " از مولانا عبدالمجید ترکمانی: احناف کے

اصول حدیث پر اپنی نوعیت کا یہ منفرد کام استاذ محترم مولانا محمد عبدالحلیم چشتی مدظلہ کی نگرانی میں انجام پایا تھا، مزید اضافات اور فنی ترتیب وتدوین کے بعد ابتدا میں "مکتبة السعادة" کراچی سے اور پھر بیروت کے معروف اشاعتی ادارے "دار ابن کثیر" سے یکے بعد دیگرے دوبار طبع ہو چکا ہے، حال ہی میں مزید اضافات کے ساتھ "مکتبة الکوثر" سے اس کتاب کا چوتھا ایڈیشن شائع ہوا ہے، کتاب کے طبع ہونے اور علمی حلقوں میں عام ہونے کے بعد عرب وعجم کے کبار اہل علم نے نوجوان مقالہ نگار کی اس کاوش کو بنظر تحسین دیکھا اور مئولف کو بلند پایہ تعریفی کلمات سے نوازا ہے، مقام شکر ہے کہ احناف کے اصول حدیث کے حوالے سے اسے اب مرجعیت کا مقام مل چکا ہے، چنانچہ موضوع سے متعلق بیشتر علمی وتحقیقی مقالات میں اس کے حوالے دیئے گئے ہیں، بلاشبہ یہ جامعہ کے ''شعبہ تخصص فی علوم الحدیث'' میں ہونے والے تحقیقی کام کی ایک عمدہ مثال ہے۔

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے اس شعبے نے علوم حدیث کے میدان میں پیش رفت کے سلسلے میں نمایاں کردار کیا، معاشرے کو ماہرین علوم حدیث کی ایک کھیپ فراہم کی، ملک وبیرون ملک کے کئی جامعات کے شعبہائے تخصص فی علوم الحدیث میں مصروف عمل بہتیرے اہل علم جامعہ کے اس شعبے سے ہی فیضیاب ہوکر مرجعیت کے مقام پر پہنچے، والحمد للّٰہ علی ذلك۔

ایک گذارش علوم حدیث کے متخصصین سے:

اس مقام کی مناسبت سے ''متخصصین فی علوم الحدیث'' سے خصوصا اور دیگر اہل اختصاص کی خدمت میں عموما ایک برادرانہ وخیرخواہانہ گذارش پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ کسی بھی علم وفن کے ساتھ مناسبت کے بقا کے لیے اس کا دائمی ومربوط مطالعہ ضروری ہوتا ہے، اختصاصی مہارت حاصل کرلینے کے باوجود ربط وتسلسل نہ رہنے کی بنا پر برسوں کی محنت (اکارت کہنا تو مناسب نہ ہوگا کہ فی الجملہ افادیت سے انکار بھی نہیں، کہا جاسکتا ہے کہ اختصاصی صلاحیت) ہوا ہوجاتی ہے، اس رویے سے بعض اوقات جزئیات تو درکنار، فن کے بنیادی اصول وکلیات بھی ذہن سے اوجھل ہوجاتے ہیں اور عمومی مشاہدے کی رو سے بھی یہ عین فطری معاملہ ہے، امام فن جرح وتعدیل ومحدث جلیل القدر امام عبدالرحمٰن مہدی رحمہ اللہ (۱۹۸ھ) کا مقولہ ہے:

"انما مثل صاحب الحدیث بمنزلة السمسار، اذا غاب عن السوق خمسة أیام تغیر بصره"۔ (۱۳)

''حدیث کا طالب علم دلال (ہمارے عرف میں بجائے اس کے ''منی چینجر'' کہہ لیجیے) کی مانند ہوتا ہے، چند روز بھی مارکیٹ سے دور رہے تو فنی بصیرت (اور پیشہ ورانہ مہارت) میں فرق آجاتا ہے''۔

چند روز کی غیبوبت سے اتنا تغیر آجاتا ہے تو فنی مطالعہ کے بالکلیہ ترک کی صورت میں اختصاصی استعداد کیا حشر ہوگا؟! ایسے میں مسلسل مطالعہ وتحقیق کے عمل سے جڑے بنا خود کو متخصص باور کراتے رہنا خام خیالی ہی کہی جاسکتی ہے، یوں ہم عوام کو تو مطمئن کرسکتے ہیں لیکن ضمیر کی عدالت میں جواب دہی سے عاجز رہیں گے، امام احمد بن حنبل شیبانی رحمہ اللہ (۲۴۱ھ) سے ایک موقع پر دریافت کیا گیا: حدیث کی طلب کب تک جاری رکھنی چاہیئے؟ فرمایا: ''موت تک''۔(۱۴) گویا حقیقی متخصص وہی ہے جو تحقیق ومطالعہ کے سفر میں کسی مقام پر قناعت کے بجائے فن کے ساتھ دائمی ربط قائم رکھے۔

مآخذ ومراجع:

(۱)..... عجالة المبتدي وفضالة المنتهي في النسب، ص: ۳، المطبعة الأميرية بالقاهرة امام ابن صلاح رحمہ اللہ نے ''مقدمہ'' میں پینسٹھ (۶۵) انواع ذکر کی ہیں، جبکہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے دیگر کتب سے جمع کرکے اپنے اضافات کے ساتھ "تدريب الراوي" میں چورانوے (۹۴) انواع ذکر کی ہیں۔(۲).....سنن الترمذي، أبواب المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل، ۲ : ۶۹۹، رحمانيه۔(۳).....مراتب العلوم لابن حزم ضمن مجموع رسالاته،٤:٧٧، ٧٨۔(۴).....جامع بيان العلم وفضله لابن عبدالبر ،باب اثبات المناظرة والمجادلة واقامة الحجة، ص: ۳۳۵، رقم: ۹۴۳، دارابن حزم ۱٤۲۷ھ۔ ۲۰۰٦ء۔ (۵)..... الفتاوى الحديثية، ص: ۳۲۸، قديمى كتب خانه كراتشى۔(۶).....التعليقات الحافلة على الأجوبة الفاضلة، ص:۳۱، مكتب المطبوعات الاسلامية حلب سوريا، ۱٤۳٦ھ۔ ۲۰۰۵ء.(۷).....صحيح البخارى، كتاب الصوم، باب من أقسم على اخيه ليفطر فى التطوع، ۱: ۲٦٤، قديمى۔(۸).....تخصص حدیث شریف، تعارف، اصول وضوابط، ص: ۲۷، جامعہ مظاہر علوم سہارن پور، انڈیا۔(۹).....ایضا، ص: ۲۵۔(۱۰).....ایضا، ص:۲۳۔(۱۱).....تحقیقات حدیث، شمارہ: ۲، بابت محرم الحرام ۱۴۳۱ھ بمطابق جنوری ۲۰۱۰ء۔(۱۲).....ششماہی السیرۃ شمارہ ۶ و ۷ رمضان ۱۴۲۲ھ اور ربیع الاول ۱۴۲۳ھ۔

(۱۳).....الجامع لاخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب، باب دوام المراعاة للحديث والمذاكرة به واتقاء الفتورعنه، ص:٤۱۳، رقم: ۱۹۰۹، دارالكتب العلمية بيروت لبنان ۱٤۱۷ھ۔۱۹۹٦ء۔

(۱۴).....شرف أصحاب الحديث للخطيب،۲: ۱۲۸، رقم: ۱۳۵،مكتبة ابن تيمية القاهرة۔

تذکرہ صاحبِ ''فوائدِ مکیہ''
استاذ القراء مولانا قاری عبدالرحمٰن مکی رحمہ اللہ

بقلم: مولانا قاری اَحمداللہ قاسمی

قرآن مجید کی حفاظت کا انتظام اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لیا ہے۔اس حفاظت کے ظاہری اسباب کے درجے میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے افراد کو اس بات کی توفیق بخشی ہے کہ ان کے سینوں کو اس کا مخزن بنادیا ہے۔اس کتاب ہدایت کی عربیت،لغت،تفسیر،تاویل،تجوید،لحن،طرزِ ادا.....سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں رجال پیدا فرمائے ہیں۔انہی 'رِجال' میں سے ایک سندالقراء فی الہند حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی رحمہ اللہ تھے۔آپ حضرت مولانا قاری عبداللہ مکی رحمہ اللہ کے برادر خورد تھے،آپ کے بابرکت وجود سے برصغیر پک وہند میں علوم تجوید وقراءات کی خوب اشاعت ہوئی۔حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی مختصر کتاب ''فوائد مکیہ''معروف ومتداول ہے۔برصغیر پاک وہند میں کوئی حافظ،قاری،مجوّد اس سے مستغنی نہیں۔آج ہمارے طلبہ میں سے بیشتر ایسے ہیں جو اس کتاب کو تو ضرور پڑھتے ہیں مگر صاحب کتاب سے واقفیت نہیں رکھتے۔آئندہ کی سطور اسی تذکرے کے لیے لکھی جارہی ہیں۔

قاری مرزا بسم اللہ بیگ صاحبِ ''تذکرۂ قاریانِ ہند'' نے شیخ القراء حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی ثم الہٰ آبادی رحمہ اللہ کے حالات اپنی کتاب ''تذکرۂ قاریانِ ہند''میں اس طرح لکھے ہیں:

شیخ القراء حافظ عبدالرحمٰن مکی الہٰ آبادیؒ یہ دوسرے عبدالرحمٰن مکی الہٰ آبادی ہیں،جن کی بدولت اُتر پردیش، بہار، اُڑیسہ اور بنگال میں تجوید وقراءت کا ذوق عام ہوا،حضرت کے والد محمد بشیر خاں صاحب قصبہ: قائم گنج،ضلع: فرخ آباد، یوپی کے رہنے والے تھے، وہاں سے کانپور آکر رہ گئے تھے۔غدر(جنگ آزادی) میں حصہ لینے کی وجہ سے انگریزی حکومت نے جائیداد ضبط کرکے پریشان کیا تو ۱۲۸۳ھ میں ہجرت کرکے مکہ معظّمہ چلے گئے۔

ان کے تین فرزند تھے: محمد عبداللہ،محمد عبدالرحمٰن،محمد حبیب الرحمٰن۔والد نے تینوں فرزندوں کو مکہ معظّمہ میں تعلیم دِلوائی،محمد عبداللہ نے مقری ابراہیم سعد مصریؒ سے قراءاتِ عشرہ کی سند لی۔یہ صاحبِ سلسلہ اور قراءت کے جید استاذ

تھے، آپ نے حسن بدیرؒ سے اور انہوں نے شیخ محمد متولی مصریؒ سے قراءاتِ متواترہ متصلہ حاصل کی تھیں۔ قراءات کے ساتھ حضرت مولانا قاری عبداللہ نے حفظِ قرآن کی تکمیل بھی کی، پھر مدرسہ صولتیہ میں شیخ التجوید مقرر ہوئے، اخیر عمر تک قرآنِ پاک کی خدمت انجام دیتے رہے۔

حضرت کا معمول تھا کہ روزانہ درس کے علاوہ ایک گھنٹہ تجوید کی مشق کیا کرتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے کہ: جب تک مزاولت نہ ہو آواز اور ادائیگی پر قابو نہیں رہتا، ہر قاری کو چاہیے کہ روزانہ کی مشق ترک نہ کرے۔

حضرت ہی سے آپ کے دونوں چھوٹے بھائیوں نے قراءاتِ عشرہ سیکھیں، اور ہندوستان واپس آکر یہاں قرات کا سلسلہ جاری کیا۔ شیخ القراء حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب مہاجرِ مکیؒ کا فیض سارے عالم میں پھیلا، چالیس سال سے زیادہ قرآن مجید کی خدمت کر کے ۱۳۳۷ھ میں وفات پائی، مکہ معظّمہ میں مدفون ہیں۔

حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ کی شادی مکہ معظّمہ میں ہی ہوئی تھی، آپ کے چار صاحب زادے تھے اور ایک صاحب زادی۔ حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب کے سارے ہی صاحبزادے مکہ معظّمہ ہی میں رہے اور قاری حافظ محمد احمد صاحب بہت ہی اچھے قاری، حافظ، عالم اور فقیہ تھے، بڑے ذہین و ذکی تھے، مناظرے میں یدطولیٰ حاصل تھا، جب حجاز میں نجدیوں کی حکومت قائم ہوئی اور نجدی علماء نے بعض مسائل میں علمائے اہل مکہ سے اختلاف کیا، اور بحث ومناظرے کی نوبت آئی تو ملک عبدالعزیز ابن سعود نے اپنے سامنے دونوں جانب کے علماء کو بلا کر مناظرہ کرایا، وہاں جان کا بھی خطرہ تھا، مگر علمائے اہلِ مکہ کی طرف سے قاری محمد احمد نے بحث کی، ملک عبدالعزیز آپ کی قابلیت، ذہانت اور متانت سے اتنا متاثر ہوئے کہ آپ کو قاضی القضاۃ بنا دیا۔

دوسرے صاحبزادے قاری حافظ محمد محمود بھی اچھے قاری تھے، دو سال ہندوستان میں: کلکتہ اور الٰہ آباد میں مقیم رہے پھر واپس چلے گئے۔

صاحب ''تذکرۂ قاریانِ ہند'' لکھتے ہیں کہ: شیخ القراء حضرت مولانا قاری حافظ محمد عبدالرحمٰن صاحب مکی رحمہ اللہ تقریباً ۱۳۰۰ھ میں ہندوستان کو واپس ہوئے، حضرت مولانا احمد حسن صاحبؒ کے مدرسے میں مدرس ہوئے۔

کانپور کے تجار میں حضرت احمد حسن صاحب رحمہ اللہ کا بڑا اثر تھا، ایک روز آپ رحمہ اللہ نے تجار کو جمع کر کے ان سے فرمایا کہ آپ سب کو اپنی اپنی لڑکیوں کے لیے اچھے بَر کی تلاش ہے اور مدرسے کے فارغ التحصیل یا قریب الفراغ طلبہ میں بہت سے شریف بچے ہیں، تم لوگ امیر گھرانوں میں بیٹیاں دینے کے بجائے ان شریف زادوں کی طرف کیوں توجہ نہیں کرتے؟ غرض اکثر تجار نے اپنی لڑکیاں بیاہ دیں، ان میں سے ایک تاجر کی لڑکی سے قاری عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کا عقد بھی ہو گیا۔

قاری صاحب رحمہ اللہ نے کانپور سے الٰہ آباد جا کر عبداللہ کے مسجد، متصل ریلوے اسٹیشن کے مدرسہ ''احیاء

العلوم‘‘ میں کام شروع کردیا، یہاں طلباء کی تعداد چنداں زیادہ نہ تھی، اور نہ ان میں استفادے کا شوق تھا اس لیے برداشت خاطر ہوکر حضرت نے واپس مکہ معظّمہ جانے کا ارادہ کرلیا، سفر کی تیاری مکمل ہوچکی تھی، توشہ بھی تیار ہوچکا تھا، رات گزارنی باقی تھی، صبح کی گاڑی سے روانہ ہونے والے تھے، رات کو خواب میں سرورِ کائنات، حضرت رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’عبدالرحمٰن! تم ہندوستان ہی میں رہو، ہم کو تم سے بہت کام لینا ہے‘‘..... صبح ہوتے ہی حضرت نے تمام سامان کھلوادیا اور ہجرت کا ارادہ ترک کردیا۔

ہندوستان میں حضرت کا ابتدائی زمانہ تھا، لوگ آشنا نہ تھے، مگر حضرت نے اس کے بعد سرگرمی سے تجوید وقرأت کی نشر واشاعت کی طرف توجہ کی، رفتہ رفتہ شہرت ہوئی اور وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ پورے ہندوستان سے لوگ کھینچ کر آنے لگے، حضرت کے شاگردوں کی تعداد اور ان کی جدوجہد دیکھ کر حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کی خدمات کا صحیح اندازہ لگاسکتے ہیں۔ کئی سال کے بعد دومرتبہ حج کو گئے، آخری عمر میں مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ تشریف لے گئے۔ وہیں ۶ جمادی الاول ۱۳۴۱ھ کو انتقال ہوا۔

آپ کے ایک عقیدت مند شاگرد نے ایک قطعۂ زمین قبور کے لیے جھوائیں ٹولہ محبوب گنج لکھنؤ میں لے کر رکھا تھا، اس میں دفن کیا گیا۔ ان صاحب نے درخت وپودے لگا کر باغ بنادیا تھا: قاری محمد نذر صاحب مرحوم بھی آپ کی قبر کے پاس دفن ہوئے، عدمِ نگرانی کی وجہ سے باغ کی حالت خراب ہوگئی۔

صاحب ’’تذکرۂ قاریانِ ہند‘‘ حاشیہ پر لکھتے ہیں: چند روز قبل قاری عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد رشید قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ لکھنؤ گئے تھے، ان کا جی چاہا کہ اُستاذ کی قبر پر جاکر فاتحہ پڑھیں، یہ معلوم نہ تھا کہ قبر کہاں ہے؟ اس لیے (قاری) عبدالمعبود صاحب رحمہ اللہ اور دوسرے جاننے والوں کو ساتھ لے لیا، صبح آٹھ بجے نکلے، یہ حضرات بھی مدت سے قبر پر نہیں گئے تھے، قاری عبدالمعبود صاحب کو یہ معلوم تھا کہ جنگل میں ہے، اسی انداز سے باہر جاکر تلاش کی، وہ قبرستان ہی نہ ملا، دن کے ۱۲ بج گئے، تھک کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے، قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ: آپ لوگوں کو بڑی زحمت ہوئی، اب آپ لوگ تشریف لے جائیں، مجھے تو جب تک قبر کا پتا نہ لگے گا گھر واپس نہ جاؤں گا، غرض پاس لحاظ سے دوسرے بھی ٹھہرے رہیں، قاری صاحبؒ نے ایک دیہاتی کو جو ادھر سے گزر رہا تھا پکارا، قاری عبدالمعبود وغیرہ ہنسنے لگے کہ حضرت! ہم لکھنؤ کے رہنے والے جب نہ بتاسکے تو یہ دیہاتی کیا بتائے گا جس نے کبھی قاری صاحبؒ کا نام بھی نہ سنا ہوگا! (قاری) حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے کہا کہ: کیا کیا جائے؟ کسی سے تو پوچھنا ہے، جب وہ دیہاتی نزدیک آیا تو قاری حفظ الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ نے پوچھا کہ: اس نواح میں قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ کی قبر ہے، کیا تم اس کا پتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں صاحب! ہم بتاتے

ہیں، میرے ساتھ آیئے غرض اس نے شہر میں آکر اس قبرستان کو بتایا، سب نے قریب آنے کے بعد کہا کہ: ہاں! یہی قبرستان ہے، غرض سب نے فاتحہ پڑھی، باغ کی بربادی اور قبر کے اطراف بندروں کا پیخال دیکھ کر افسوس کیا اور واپس آگئے۔ رات میں قاری حفظ الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ نے قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا کہ اُسی قبر پر بیٹھے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ: آٹھ بجے سے بارہ بجے تک گھومتے رہے تم کو ہماری قبر ہی نہ ملی! دیکھتے ہو یہاں کیا حالت ہے؟ دوسرے روز حضرت نے دوسو (روپے) اپنے ساتھیوں کو دے کر فرمایا کہ: تم لوگ درستی کا انتظام کرو، اَور رقم کی ضرورت ہوئی تو مَیں وہ بھی فراہم کردوں گا۔

یہ واقعہ قاری حفظ الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ نے خود مجھ سے (یعنی صاحب تذکرۂ قاریانِ ہند سے) بیان کیا۔

صاحبِ ''تذکرۂ قاریانِ ہند'' آگے متن میں تحریر فرماتے ہیں: کانپور، الٰہ آباد اور اطراف کے شہروں میں آپ کا بہت فیض پہنچا۔ بنگال، برما، پنجاب اور کابل کے تلامذہ نے آکر آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کے شاگرد بھی بڑے مستعد نکلے، حضرتؒ سے سیکھ کر خود سرگرمِ درس وتدریس ہوگئے۔

حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ کا حافظہ بہت قوی تھا، شاطبیہ (لامیہ)، دُرّہ، طیبہ: یہ سب کتابیں اور قرأتِ سبعہ وعشرہ کے اصول وفروش بہ جمیع طرق بالکل اَزبر تھے، ہر سال رمضان میں دوختم سنانے کا معمول تھا، تراویح خود ہی سے پڑھاتے تھے، تیزی کے باوجود حروف کے مخارج وصفات، حرکات وسکنات ومدود کی ادائیگی میں فرق نہ آتا، یہاں تک کہ ادنیٰ درجے کا لحنِ خفی بھی واقع نہ ہوتا۔

حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ شیخ التجوید مدرسہ دیوبند کا بیان ہے کہ ''اشراق، چاشت، تہجد، اوابین میں الگ الگ سلسلے سے قرآن مجید ختم فرماتے۔ قرآن مجید کا حفظ اس پائے کا تھا کہ ایک دوسرے شاگرد پروفیسر قاری سراج الحق کے قول کے مطابق جو خود انہوں نے مجھ (صاحب تذکرۂ قاریانِ ہند) سے بیان کیا۔ کہ: کبھی لقمہ لیتے ہم نے نہیں سنا۔ ان ہی شاگرد کا یہ بھی بیان ہے کہ: حضرتؒ نے ''شمھودش'' شہنشاہِ جنہ کو بھی جدہ میں قرآن سنایا تھا۔

مجلس میں قرآن سنانے کی فرمائش کی جاتی تو کبھی تصنع یا تکلف سے نہ پڑھتے، بہت سادگی سے سنادیتے تھے۔ قاری سراج الحق صاحب نے مجھ سے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک دفعہ ۱۳۴۳ھ میں مولوی غلام مجتبیٰ جعفریؒ کے پاس قراءت کا جلسہ مقرر ہوا، جس میں قاری ابراہیم رشید بھی جو مکہ مسجد حیدرآباد کے خطیب تھے، وہ بھی شریک جلسہ تھے، ان کی باری آئی تو انہوں نے اونچی آواز سے خوب للکار کر سنایا، ان کے بعد ہی قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ سے فرمائش ہوئی، حضرت نے مقابلے کا خیال کیے بغیر نہایت سادگی کے ساتھ سنادیا، عوام پر یہ اثر ہوا کہ قاری عبدالرحمٰن مکی سے تو ابراہیم رشید ہی نے اچھا پڑھا۔

حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کے صرف ایک لڑکی ہوئی جو بچپن میں انتقال کرگئی، اس کے بعد کوئی

اولاد نہ ہوئی۔ قاری محبوب علی صاحب رحمہ اللہ کو متبنیٰ بنایا تھا، چنانچہ کتب خانہ اور کل اَثاث بیت ان ہی کے حوالے کیا۔ قاری محبوب علی صاحب رحمہ اللہ پاکستان چلے گئے، یہ مقام ''گولڑہ'' میں مقیم تھے۔

فنِ تجوید میں آپ کی اردو تالیف ''فوائد مکیہ'' اکثر نصاب میں داخل ہے، عربی میں فنِ رسم الخط عثمانی میں ''افضل الدُّرر'' تالیف کی، قصیدہ رائیہ کی ایک محققانہ شرح لکھی۔

حضرت مولانا قاری محمد حسین صاحب مالیگانوی رحمہ اللہ حضرت قاری صاحب کے مکہ مکرمہ سے ہندوستان میں تشریف آوری کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس فن شریف کی حفاظت کا سامان اس طرح پیدا ہوا کہ، مکہ معظّمہ میں مدرسہ صولتیہ ایک قدیم مدرسہ ہے، اس مدرسے کے شیخ التجوید حضرت مولانا حافظ قاری عبداللہ قدس سرہ تھے، حضرت موصوف کے زمانے میں یہ مدرسہ بہت عروج پر تھا، اہلِ عرب بھی اس مدرسے میں تعلیم حاصل کررہے تھے، بندہ جب مکہ معظّمہ حج کے لیے حاضر ہوا تو اس مدرسے کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا سلیم اللہ صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور فنِ تجوید وقراءات پر گفتگو شروع ہوئی، مولانا موصوف نے ارشاد فرمایا کہ مَیں اور حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن مکی قدس سرہ اسی مدرسہ صولتیہ میں ہم سبق تھے اور علم تجوید وقرأت حاصل کررہے تھے، حضرت مولانا حافظ قاری عبدالرحمٰن قدس سرہ یہ حضرت مولانا قاری عبداللہ قدس سرہ کے برادر خورد ہیں، حضرت مولانا سلیم اللہ نے ارشاد فرمایا: قاری صاحب! وہ گھڑی بڑی مبارک گھڑی اور وہ ساعت بڑی نورانی ساعت تھی کہ ایک رات حضرت مولانا قاری عبداللہ قدس سرہ محوِ خواب ہوتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت قاری صاحب سے مخاطب ہوکر ارشاد فرماتے ہیں: ''قاری عبداللہ! سنو! اپنے چھوٹے بھائی قاری عبدالرحمٰن کو ہندوستان روانہ کردو؛ تاکہ ان کے ذریعے علمِ تجوید وقراءت کی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہو۔'' بیدار ہوتے ہیں تو خواب کا نقشہ اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ذہن میں موجود ہے، آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے تر ہوجاتی ہیں اور دل میں یہ خیال موجزن کہ اپنے ادنیٰ غلام پر آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر نوازش بیکراں کہ اپنی زبان مبارک سے میرا نام لے کر ارشاد فرماتے ہیں: قاری عبداللہ! اس بشارت عظمیٰ پر جس قدر بھی فخر کروں کم ہے، فوراً اپنے بھائی قاری عبدالرحمٰن کو بلوا کر فرمایا کہ گنبد خضراء میں آرام فرمانے والے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں تمہارا نام لے کر بشارت دی ہے کہ اپنے بھائی کو علمِ تجوید وقراءت کی اشاعت کے لیے ہندوستان روانہ کرو، حضرت قاری عبدالرحمٰن قدس سرہ پر اس بشارت کو سن کر عجیب کیفیت طاری ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس غلام کا نام لے کر بشارت دی۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جس پر یہ حالت گزری ہو۔

غرض حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن قدس سرہ بہ طیبِ خاطر مکہ معظّمہ سے ہندوستان تشریف لائے، اور فنِ تجوید و

قراءت کی اشاعت میں کوشش شروع کردی۔ ابتداء میں اس فن کی طرف عوام تو عوام، خواص نے بھی کوئی توجہ نہیں کی، لیکن بالآخر تشنگانِ علوم اپنی پیاس بجھانے کے لیے جوق در جوق آنے شروع ہوگئے، اور حضرت قاری صاحب موصوف نے اپنی تمام صلاحیتیں اس کام کی تکمیل کے لیے صَرف کردیں، اور خدمتِ قرآن کو اپنی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ بنالیا۔ بنا بریں طلباء علماء کی یہ حالت تھی کہ جماعتیں اس شیخ القراء کی خدمت میں تحصیل علم کے لیے حاضر ہونے لگیں اور ماشاء اللہ ہزاروں علماء وحفاظ نے اس سرچشمۂ تجوید وقراءت سے اپنی پیاس بجھائی۔

آج بھی تجوید وقراءت کا جا بجا جو چرچا نظر آتا ہے، وہ سب حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن مکی قدس سرہ اور ان کے تلامذہ کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے۔ حضرت الاستاذ قاری صاحب قبلہ نے اپنی زندگی میں اس فن کے ایسے رجال پیدا کردیے کہ تاریخ اس صدی میں ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اور آج ہندوستان وپاکستان کی کوئی ایسی دینی درسگاہ نہیں ہے جس کی کیاریوں میں حضرت الاستاذ مولانا قاری عبدالرحمٰن مکی قدس سرہ کے سرچشمۂ تجوید وقرأت کی لہریں نہ پہنچ رہی ہوں، نیز اس وقت شاید ہی کوئی ممتاز اہلِ فن، قاریٔ سبعہ وعشرہ ایسا ہو جس کا سلسلہ حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی ثم الہٰ آبادی رحمہ اللہ تک نہ پہنچتا ہو۔ آپ کے معروف تلامذہ میں مولانا قاری ضیاء الدین احمد الہٰ آبادی، مولانا قاری عبدالوحید الہٰ آبادی، مولانا قاری عبدالخالق علی گڑھی، مولانا قاری عبدالمالک علی گڑھی، مولانا قاری حفظ الرحمٰن پرتاب گڑھی، مولانا قاری عبدالمعبود، مولانا قاری محمد کامل، مولانا قاری محبّ الدین الہٰ آبادی رحمہم اللہ شامل ہیں۔ ان حضرات نے اپنے استاذ کے قرآنی فیض کو عام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، سینکڑوں نیک بخت ان کے شاگرد ہوئے اور انہوں نے اپنے اساتذہ کے فیض کو پورے برصغیر میں عام کیا۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی دو تالیفات معروف ہیں:

(۱).....''افضل الدرر شرح عقیلہ فی الرسم لابی القاسم الشاطبی۔ یہ عقیلہ کی بے نظیر محققانہ اور جامع شرح ہے۔ حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''اسہل الموارد'' میں لکھتے ہیں کہ: ''حق یہ ہے کہ ایسے مشکل قصیدے کا اس طرح حل کردینا کہ مجھ جیسا ناواقف بھی آسانی سے مطلب سمجھ لے آپ ہی کا حصہ تھا''

(۲).....''فوائد مکیہ'' یہ حضرت قاری صاحب کی فن تجوید پر دوسری جامع ترین کتاب ہے۔ یہ کتاب روایت حفص میں تجوید ووقف کے قواعد اور رسم عثمانی اور خوش آوازی کے فوائد پر مشتمل ہے۔ فوائد مکیہ کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت عامہ عطا فرمائی ہے، اور آج ہر مدرسے میں پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔

☆☆☆

عصری تعلیم گاہوں کا نصاب اور نظامِ تعلیم

از: مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خاں

یہ بات ہر اس شخص پر واضح ہے جو ذرا بھی عقل وشعور رکھتا ہو اور دانش وبینش کا حامل ہو کہ 'تعلیم' انسانی ضروریات میں سے ایک اہم ترین ضرورت اور روحانی فضائل میں سے ایک بلند ترین فضیلت ہے۔ علم ہی وہ جوہر لازوال ہے جس کے سامنے فرشتوں کو سرنگوں ہونا پڑا اور جس کی بنا پر انسان مسجودِ ملائک بنا اور یہی وہ وصف خاص ہے کہ شرافتِ انسانی اور کرامتِ انسانی جس پر مرتب ہوتی ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جن میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں۔

علم کی تعریف ومقصد:

مگر یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ علم وہی ہے جس سے انسان کو انسانیت کا سبق ملے، اخلاق فاضلہ میں رسوخ حاصل ہو، تہذیب وشرافت پروان چڑھے اور اس کے ساتھ وہ حق وباطل میں تمیز، مغز وپوست میں فرق، اور صلاح وفساد میں امتیاز کرنے کی صلاحیت بخشتا ہو، انسان کو صراط مستقیم پر گامزن کرتا ہو اور رضائے الٰہی اور قرب خداوندی کی دولت سے مالا مال کرتا ہو، اس کی کوئی پروا نہیں کہ وہ سائنس وٹیکنالوجی (Tecnology&Science) کے علوم ہوں یا طب وانجینئری کے فنون ہوں، تاریخ وفلسفہ کے اسباق ہوں، یا زبان وادب کے دروس ہوں۔ اگر یہ تمام علوم وفنون انسان کو اس مقصد تک پہنچاتے ہیں جو ابھی مذکور ہوا، تو بلاشبہ یہ علوم وفنون ہیں اور اگر اس مقصد تک نہیں پہنچاتے تو یہ سب ایک شعبہء جنون ہے۔

تعلیم اور ہمارے اسلاف:

جس دور میں یہ تمام علوم وفنون اہل اسلام کے ہاتھوں پروان چڑھ رہے تھے، ان علوم وفنون سے انسان کو انسانیت کا سبق، شرافت کا درس، اخلاق فاضلہ میں رسوخ، حق وباطل میں تمیز وپہچان کی صلاحیت، بھرپور طریقے پر حاصل ہوتی رہی اور انسان ہدایت کی شاہراہ پر گامزن اور صراط مستقیم پر قائم تھا، تاریخ کے واقعات اور قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں اس کیلئے عبرت وموعظت کے اسباق قرار پاتے تھے اور وہ ان سے ہدایت حاصل کرنے

پر مجبور ہوجاتا تھا۔غرض یہ کہ یہ تمام علوم وفنون اس کی رہنمائی کرتے تھے اور وہ رضائے الٰہی وقرب خداوندی کی دولت سے مالا مال ہوجاتا تھا۔

زوالِ اسپین کے بعد:

اسپین کے زوال کے بعد جب یہ تمام علوم وفنون (جن کو ہمارے اسلاف نے ایمانی فراست اور روحانی حرارت کے ذریعہ پروان چڑھایا تھا اور ان علوم وفنون سے انسانیت کی خدمت لیتے رہے) الحاد ودہریت کے شکار لوگوں، خدا ورسول کے باغیوں، انسانیت وشرافت سے محروم لوگوں، حرص وہوس کے پجاریوں کے ظالمانہ ومجرمانہ پنجے اور قبضے میں چلے گئے، تو ان علوم وفنون کو ان کے اصل مقصد منشاء کے خلاف استعمال کیا جانے لگا اور اپنے ذاتی مفادات کیلئے انکا کھلے طور پر استحصال کیا جانے لگا۔اور یہ ملحد وزندیق اور اہل حرص وہوا لوگ اپنی مکاری وعیاری سے شعبہ تعلیم پر چھاتے چلے گئے، یہاں تک کہ ان علوم وفنون کو انھوں نے خدا اور رسولوں سے بغاوت، مذہب وایمان سے عداوت، انسانیت وتہذیب سے تلعب واستہزاء اور اخلاقی اقدار کی تحقیر وتوہین کیلئے استعمال کرنا شروع کردیا۔

اور آج کے دور میں علم وتعلیم نام ہی اس بات کا ہے کہ مذہب وایمان کو فضول اور بیکار چیز سمجھا جائے، اخلاقی اقدار جیسے شرم وحیاء، تواضع وانکساری، احسان وسلوک وغیرہ کو عجز وکمزوری پر محمول کیا جائے اور انسانی اقدار کو دقیانوسی ٹھہرایا جائے، اس کے برعکس ہر بے حیائی اور بے شرمی کو تعلیم کا لازمہ اور ہر بے ایمانی اور بداعتقادی کو عقل وشعور کا نتیجہ اور ہر بداخلاقی وبدتہذیبی کو روشن خیالی کا اثر قرار دیا جائے۔

موجودہ تعلیم کے خطرناک نتائج:

یہ افسوس ناک صورت حال جن خطرناک وتباہ کن نتائج پر منتج ہوئی، اور برابر ہورہی ہے، وہ آج ہمارے سامنے ہے جن کا خلاصہ درج ذیل ان نمبرات میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

(۱)..... ہمارے بچے جب ان اسکولوں میں جاتے اور وہاں کے نظام ونصاب کے مطابق تعلیم حاصل کرتے ہیں، تو ان کے دلوں سے ایمان واسلام بلکہ مذہب کی عظمت واہمیت یکسر ختم ہوجاتی ہے اور وہ اس کو محض ایک فضول چیز سمجھنے لگتے ہیں۔

(۲)..... جو لوگ کچھ مذہبی قسم کے ہیں، انھوں نے اس تعلیم کا یہ اثر قبول کیا کہ دین ودنیا کو دو خانوں میں بانٹ دیا اور مذہب ودین کو زندگی کا پرائیویٹ معاملہ کہہ کر اس کو مدارس ومساجد اور نماز روزہ تک ہی محدود ومقید کردیا اور زندگی کے دیگر مراحل ومواقع میں پوری طرح اسلام سے آزاد ہوگئے، حالانکہ یہ ذہنیت خالص عیسائی اور یہودی ذہنیت ہے۔

(۳)..... بہت سے تعلیم یافتہ لوگوں میں اسلام کے بنیادی عقائد اور بہت سے احکام کے بارے میں شکوک و

شبہات پیدا ہوگئے اور وہ بے اطمینانی و بے اعتمادی کا شکار ہوگئے، پھر ان میں جو بزدل ہیں، وہ تو دل ہی دل میں ان شکوک وشبہات کو لئے پھر رہے ہیں اور جو جری ہیں وہ برملا اسلام پر حملہ کرتے رہتے ہیں، چنانچہ اخبارات وجرائد کے کالم اس قسم کے لوگوں کا پتہ دیتے رہتے ہیں۔

(۴).....عفت وعصمت، پاکیزگی وپاک دامنی کی کوئی فضیلت واہمیت دلوں میں باقی نہ رہی بلکہ عفت وعصمت کی قدروں کو پامال کرنا، ایک فیشن بن گیا اور جو شرم وحیاء اور عصمت کی بات کرے وہ ان لوگوں کی نظر میں دقیانوسی اور حالات زمانہ سے بے بہرہ اور تاریک خیال ٹھہرایا گیا۔

(۵).....اخلاق وشرافت، تہذیب وانسانیت کی جگہ حیوانیت ودرندگی اور شیطانیت نے لے لی، اور انسانیت و اخلاق کی توہین کرنا، ایک محبوب مشغلہ بن گیا، اب یہ لوگ کھڑے ہوکر پیشاب کریں تو روشن خیالی، کوئی بیٹھ کر پیشاب کرے تو دقیانوسی، یہ لوگ کھڑے ہوکر کھائیں، آدھا کھانا گر رہا ہو اور بدتہذیبی کا مظاہرہ ہو رہا ہو، تو عین روشن دماغی ہے اور کوئی مولوی ان کو بتائے کہ ادب وسلیقہ سے دسترخوان پر بیٹھ کر انسان بن کر نوش فرمائیں، تو یہ مولوی تاریک خیال؛ پھر اس کی تاریک خیالی کے چرچے، ان روشن دماغوں کے فرائضِ تبلیغ میں داخل، تاکہ کوئی مولوی جیسا تاریک خیال دنیا میں باقی نہ رہے۔

(۶).....چونکہ اس تعلیم کا مقصد محض تن پروری وتن آسانی، عیش پرستی ہی دماغوں میں بٹھایا جاتا ہے، اس لئے ہر تعلیم یافتہ حرص وہوس کا غلام بن کر آتا ہے اور مال ودولت کے جمع کرنے میں اندھا، بہرا ہوکر لگ جاتا ہے؛ نہ حلال وحرام کی تمیز سے اس کو کوئی دلچسپی ہوتی ہے؛ اور نہ انسانی ہمدردی وغمخواری سے کوئی واسطہ۔ ڈاکٹر ہو تو بیماروں سے جتنا اور جس طرح ہڑپ کرسکتا ہے، وہ کریگا؛ اس کو بیمار کی شفایابی وعلاج سے زیادہ اپنی جیب اور اپنے پیٹ کی فکر ہوگی۔ اسی طرح شادی کے موقعہ پر لڑکی والوں سے بٹورنے کی ہر تعلیم یافتہ کو فکر لگی رہتی ہے کیونکہ اس نے ڈاکٹر وانجینئر وغیرہ بننے کیلئے لاکھوں روپیہ خرچ کیا تھا؛ اور وہاں دیا تھا، تو اب یہاں لینے کی فکر ہوتی ہے۔

(۷).....اس تعلیم سے مقصد ہی عیش وآرام اور مال ودولت ہے، تو غریبوں سے نفرت اور حقارت کے ناپاک جذبات بھی اس طبقہ میں لازمی طور پر پیدا ہوجاتے ہیں، اس لئے یہ طبقہ اپنی سوسائٹی ہی الگ بناتا ہے۔ ان کے گھر کی شادیوں اور تقریبات میں بھی صرف کاروں اور بنگلوں والے اور سوٹ بوٹ میں ملبوس لوگ ہی بلائے جاتے ہیں، وہ غریبوں کو بلانے میں اپنی شان کی توہین سمجھتے ہیں۔

یہ چند موٹی موٹی اور بالکل ظاہر وواضح خرابیاں اور برائیاں ہیں، جو آج کی تعلیم سے تعلیم یافتہ طبقے اور پڑھنے والے بچوں میں پیدا ہوتی ہیں، ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جن سے ایمان ہی رخصت ہوجاتا ہے، اور بعض وہ ہیں جو اسلام کی تعلیم کے خلاف ہونے کی وجہ سے سخت گناہ اور معصیت ہیں۔

عیسائی مشنری اسکول زیادہ خطرناک:

یہ تو عصری تعلیم گاہوں اور وہاں کے نظام پر ایک عمومی تبصرہ ہے؛ لیکن اگر عیسائی مشنری تعلیم گاہوں پر خصوصیت سے نظر کی جائے تو اس کی خطرناکی اور زیادہ محسوس ہوگی، کیونکہ ان مشنری اسکولوں کا مقصد ہی یہ ہے کہ مسلمانوں میں بداعتقادی کا بیج بویا جائے اور ان کو ان کے مذہبی ورثہ سے دور کردیا جائے جس کی وجہ سے وہ اگرچہ عیسائی نہ ہوں، تاہم مسلمان بھی باقی نہ رہیں۔

☆.....علامہ اقبال نے یورپ کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی، وہاں کے اچھے برے کو قریب سے دیکھا، وہاں کی اقوام کا مزاج بھی دیکھا، پھر یہاں کے حالات بھی دیکھتے رہے، غرض یہ کہ ایک فلسفی کی حیثیت سے ہر چیز کا بنظر غائر مطالعہ کیا، پھر ان عیسائی اسکولوں کی تعلیم اور ان کے نظام پر جو خیال ظاہر کیا، اسکو سنئے:

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین ومروت کے خلاف

☆.....ایک امریکن خاتون محترمہ مریم جمیلہ نے (جو ۱۹۶۰ء/ میں یہودیت سے توبہ کرکے مسلمان ہوئیں) اپنی کتاب ''اسلام اور آج کی مسلمان خاتون'' میں لکھا ہے کہ:

''مسلمان ماں کو کسی بھی قیمت پر اپنے بچوں کو عیسائی مشنری اسکولوں یا کانونٹ کو بھیجنے پر راضی نہ ہونا چاہئے، جہاں ان بچوں کو پوری طرح اپنے مذہبی ومعاشرتی ورثہ سے الگ کردیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ بھی یقین کرنا چاہئے کہ سرکاری اسکول بھی کچھ زیادہ تسلی بخش سامان مہیا نہیں کرتے۔''

ایک نومسلم مغربی مصنف کا انتباہ:

اسی طرح ایک اور نومسلم مغربی مصنف محمد اسد نے مغربی نظام تعلیم اور اسکولی تربیت کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ بھی چونکا دینے والے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب islam at the cross road میں لکھتے ہیں:

یعنی..... ''مسلم نوجوانوں کی مغربی تعلیم ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پر ایمان ویقین رکھنے اور اپنے آپ کو اس مخصوص الٰہی تمدن وتہذیب کا نمائندہ سمجھنے کے قابل نہ رکھے گی جو اسلام لے کر آیا ہے)[P:84]

اس کے بعد پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

''جو کچھ بھی ہو، اس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ ''ان روشن خیالوں'' کے اندر دینی عقائد بڑی تیزی کے ساتھ کمزور ہوتے جارہے ہیں، جن کی تعلیم مغربی بنیادوں پر ہوئی ہے۔''

پھر آگے ایک عجیب بات کہتے ہیں کہ:

''ہماری (مسلمانوں کی) پوری تعلیمی پسماندگی اور بے بضاعتی ان مہلک اثرات کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی جو دینی بنیادوں پر مغربی تعلیم کی اندھی تقلید کی وجہ سے مرتب ہونگے۔''

(100:P)

بعض بلکہ اکثر لوگ آج مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کا رونا روتے ہیں اور ان کو مشورہ دیتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہو اور جیسا بھی بن پڑے وہ عصری علوم حاصل کریں، ایسے لوگ محترم محمد اسد صاحب کی اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور غور کریں کہ انھوں نے کیا کہا ہے؟

بلاشبہ پسماندگی بری چیز ہے مگر مغربی تعلیم پر اندھا دھند فریفتہ ہونا اور اس کو جوں کا توں از اول تا آخر لیکر خوش ہوجانا، ایمان اور دینی بنیادوں پر کیا مہلک اثرات مرتب کرتا ہے؟ اس کا موازنہ تعلیمی پسماندگی سے کیا جائے تو اس پسماندگی کی کوئی حیثیت نہ ہوگی بشرطیکہ ایمان واسلام کی قدر دل میں ہو۔

نصاب اور مشرکانہ ذہنیت:

اس کے بعد عصری تعلیم گاہوں کا ایک سرسری جائزہ لیجئے، تو معلوم ہوگا کہ یہ اسکول ایمان کیلئے کس قدر خطرناک ہیں، ان اسکولوں میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے اس میں انگلش زبان کی ہر کتاب میں مشرکانہ وکافرانہ ذہنیت کارفرما نظر آتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس نصاب کو پڑھنے والے بچوں پر اس کے اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں۔

میں نے ایک چھ سات سالہ بچی کی جو دوسری جماعت میں زیرِ تعلیم تھی، اس کی ایک کاپی دیکھی، اس میں ایک سوال وجواب اس طرح لکھا ہوا تھا:

Who is God	God is our father
یعنی خدا کون ہے؟	خدا ہمارا باپ ہے۔

غور کیجئے کہ یہ ''خدا کو باپ قرار دینا'' کیا عیسائی ذہنیت اور مشرکانہ عقیدہ نہیں ہے؟ ہمارے بچے اسکو پڑھ کر کیا مسلمان باقی رہ سکتے ہیں؟ یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ یہ بچی کسی عیسائی اسکول کی طالبہ نہیں تھی؛ بلکہ ایک مسلمان کے زیرنگرانی چلنے والے اسکول کی طالبہ تھی مگر چونکہ وہاں کا نصاب ونظام ہی مغربی افکار اور بنیادوں پر مرتب ہوا ہے تو سب اس کے لپیٹ میں آئے ہوئے ہیں۔

مغربی نظامِ تعلیم کے اثرات:

اسی وجہ سے اس نظام کے تحت پرورش پانے والے لوگ عام طور پر بے دینی اور الحاد ودہریت یا کم از کم دین و مذہب کے بارے میں تشکیک وتذبذب کا شکار ہوجاتے ہیں اور اسلام اور اس کی تعلیمات پر حملے کرنے میں بھی کوئی

باک محسوس نہیں کرتے۔علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے اپنے خطبات میں فرمایا ہے کہ:

''جدید تعلیم میں مذہبی اثر نہ ہونے کا یہ نتیجہ ہے کہ سینکڑوں تعلیم یافتہ مذہبی مسائل کو تقویم پارینہ سمجھتے ہیں، اخباروں میں آرٹیکل نکلتے ہیں کہ اسلام کا قانون وراثت خاندان کو تباہ کردینے والا ہے، اسلئے اس میں ترمیم ہونی چاہئے، ایک صاحب نے مضمون لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے، پیغمبر تھے، مدینہ جاکر بادشاہ ہوگئے اور اسلئے قرآن مجید میں جو مدنی سورتیں ہیں وہ خدائی احکام نہیں بلکہ شاہانہ قوانین ہیں، ایک موقعہ پر مجھ سے لوگوں نے لکچر دینے کی درخواست کی، میں نے پوچھا کس مضمون پر لکچر دوں؟ ایک گریجویٹ مسلمان نے فرمایا کہ اور چاہے جس مضمون پر تقریر کیجئے لیکن مذہب پر نہ کیجئے، ہم لوگوں کو مذہب نام سے گھن آتی ہے (نقل کفر کفر نہ باشد) یہ صرف دو چار شخص کے خیالات نہیں، مذہبی بے پروائی کی عام وبا چل رہی ہے، فرق یہ ہے کہ اکثر لوگ دل کے خیالات دل ہی میں رکھتے ہیں اور بعض دلیر طبع لوگ انکو ظاہر بھی کردیتے ہیں۔'' (خطبات شبلی: ۸۵-۹۵)

علامہ اقبال جو انہی کالجوں کے پروردہ اور یورپی دنیا اور وہاں کے لوگوں کی عیاریوں ومکاریوں سے خوب واقف تھے، انھوں نے انہی حالات کے مطالعہ ومشاہدہ کے بعد کہا تھا کہ:

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے شارحِ اقبالیات پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے لکھا ہے کہ:

''تعلیم حاصل کرکے نوجوانوں کو سرکاری ملازمت تو بیشک مل جاتی ہے، لیکن اس مغربی تعلیم کی وجہ سے ان کے اندر الحاد کا رنگ بھی تو پیدا ہوجاتا ہے، مسلمان کے گھر میں دولت آرہی ہے، لیکن کفر کی لعنت بھی اس کے ساتھ ساتھ داخل ہورہی ہے، تو ایسی دولت کس کام کی؟ واضح ہو کہ مغربی تعلیم کے مضر ہونے پر اقبال نے فیصلہ ۱۹۳۱ء/ میں صادر کیا تھا، اور قوم اس وقت سے لیکر تا ایں دم اسی سم قاتل کو نوشِ جانِ ناتواں فرمارہی ہے، تو ناظرین خود اندازہ کرلیں کہ مریض اب کس منزل میں ہوگا؟ (بانگ درا مع شرح، ص: ۵۵۷تا۵۵۸)

غرض یہ کہ مغربی تعلیم کی ساخت وپرداخت ہی کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ اس سے کفر وشرک اور بغاوت و طغیانی اور الحاد ودہریت کے جذبات وخیالات جنم لیتے اور پرورش پاتے ہیں، کیونکہ ان تعلیم گاہوں میں علوم وفنون کی تعلیم کا جو منہج ہے وہ مغربی ثقافت وتہذیب کے مزاج وخصوصیات سے تشکیل پایا ہوا ہے، اور ان فکری وفلسفیانہ رجحانات کا آئینہ دار ہے جن سے مغربی ثقافت وتہذیب پروان چڑھی ہے۔

مشنری اسکولوں میں عیسائیت کا پرچار وتعلیم:

عیسائی مشنری اسکولوں میں جن کی ہمارے معاشرے میں خاصی مانگ ہے اور وہ بڑی عزت وتوقیر کی نگاہوں سے

مسلم سماج میں بھی دیکھے جاتے ہیں اور مسلمان بچوں کی اکثریت ان میں زیر تعلیم ہے، حتی کہ بعض بعض عیسائی کانونٹوں میں ساٹھ سے ستر فیصد تک مسلمان طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں، ان میں سے بیشتر اسکولوں میں باقاعدہ عیسائیت کا پرچار ہوتا ہے بلکہ تعلیم ہوتی ہے اور اس سے بھی آگے چرچ لے جا کر عملی طور پر طلبہ کو ان کے مذہبی مراسم ادا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

اس جگہ اس واقعہ کا ذکر کرتا چلوں کہ ایک خاتون جن سے ہمارے خاندانی مراسم ہیں، وہ میرے گھر اپنے بچوں کو قرآن پاک اور دینیات کی تعلیم کیلئے لایا کرتی تھیں، ایک دن آئیں تو روتے ہوئے، جب رونے کی وجہ پوچھی گئی تو بتایا کہ ابھی آتے ہوئے راستہ میں اچانک میرے دونوں بچے نظر نہ آئے تو میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتی رہی، اچانک میری نظر راستہ میں بنے ہوئے مریم یا عیسیٰ علیہا السلام کے ایک بت پر پڑی، تو وہاں میرے دونوں بچے بت کے سامنے گھٹنے ٹیک کر ہاتھ جوڑے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر میں وہاں گئی اور انکو مار کر لے آئی، اس پر بچے کہتے ہیں کہ ہم نے یہ کیا برا کیا ہے؟ یہ کام تو ہم اسکول میں روزانہ کرتے ہیں۔ وہ خاتون کہنے لگی کہ اس پر مجھے رونا آرہا ہے۔ میں نے کہا کہ قصور بچوں کا نہیں، آپ والدین کا ہے، جو محض دنیا کیلئے دین سے بے فکر ہو جاتے ہیں۔ بہرحال اس واقعہ سے سمجھا جاسکتا ہے اور سمجھنا بھی چاہئے کہ یہ مشنری اسکول کس طریقہ پر بچوں کو ایمان واسلام سے دور اور کفر وشرک وعیسائیت سے قریب کر رہے ہیں؟

آپ سب کچھ بنئے مگر اسلام کے ساتھ:

آپ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو سب کچھ بنایئے: ڈاکٹر، انجینئر، سائنس داں، تاریخ داں، جغرافیہ داں، ریاضی داں، اور مسلمان کو ان سب علوم وفنون کی ضرورت بھی ہے، مگر اس کے ساتھ آپ پر لازم وضروری ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو خدا پرست بنایئے، نبی کا غلام اور سنت کا عاشق بنایئے، دین کا خادم اور داعی بنایئے اور آخرت کا متمنی وطالب بنایئے، وہ صرف نام کے مسلمان نہیں بلکہ فکر ونظر کے لحاظ سے بھی، عمل وکردار سے بھی، صورت وشکل سے بھی، سیرت وحقیقت کے اعتبار سے بھی، ہر لحاظ سے مسلمان ہوں اور اس کیلئے آپ کو اس پر غور کرنا چاہئے کہ کیا موجودہ ''مغربی نظام تعلیم'' اس کا ساتھ دے سکے گا؟ یا یوں کہئے کہ کیا آپ اس ''اسلامی نظریہ'' کے ساتھ ''موجودہ مغربی تعلیم'' کا ساتھ دے سکیں گے؟

مغربی نظامِ تعلیم کا اصل مقصد:

بہت سارے لوگ اس حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں کہ ہندوستان میں انگریزی سامراج نے جو مغربی تعلیمی نظام رائج کیا، اس کا مقصد انگریزی تعلیم سے زیادہ انگریزیت کی تعلیم تھی، وہ اس نظام کے ذریعہ ہندوستانی لوگوں میں انگریزی ذہنیت کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا چاہتا تھا، اور اس کی تصدیق ''لارڈ میکالے'' کی رپورٹ سے ہوتی ہے، جو اس نے ۱۸۵۳ء میں مقبوضہ ہندوستان کے گورنر جنرل کو پیش کی تھی، چنانچہ وہ کہتا ہے کہ:

''ہمیں اس وقت بس ایک طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہئے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض سرانجام دے سکے، جن پر ہم اس وقت (ہندوستان میں) حکمراں ہیں، ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو مگر ذوق، طرزِ فکر، اخلاق اور فہم وفراست کے نقطۂ نظر سے انگریز ہو۔'' (میکالے کا نظریہ تعلیم، ص:۶۹، بحوالہ ہمارا نظامِ تعلیم، ص:۵۰)

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی زید مجدہم نے اپنی کتاب ''ہمارا نظامِ تعلیم'' میں اس رپورٹ کے متعدد اقتباسات نقل کرکے، اسکے نظریہ کا خلاصہ جو پیش کیا ہے، وہ عبرت خیز ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

''اس کا (میکالے کا) سب سے بڑا مشن یہ تھا کہ ہندوستان کے باشندوں بالخصوص مسلمانوں کو اپنے سارے تہذیبی ورثے کے بارے میں شدید احساسِ کمتری کا شکار بنا کر ان کے دلوں پر مغرب کی ہمہ گیر بالادستی کا سکہ بٹھا دیا جائے، اور نئی نسل کو ہر ممکن طریقہ سے یہ یقین کر لینے پر مجبور کر دیا جائے کہ اگر دنیا میں ترقی اور سربلندی چاہتے ہو تو اپنی فکر، اپنے فلسفے، اپنی تہذیب، اپنی معاشرت اور اپنے ماضی پر ایک حقارت بھری نظر ڈال کر مغرب کے پیچھے پیچھے آؤ اور اپنی زندگی کا ہر راستہ اسی کے نقوشِ قدم میں تلاش کرو''۔ (ہمارا نظامِ تعلیم، ص:۴۸)

محترم محمد اسد جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے، انھوں نے مغربی طرزِ تعلیم پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مغربی ادبیات کی تعلیم کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمان کیلئے اسلام ایک اجنبی چیز بن کر رہ جائے، اور یہی بات یورپ کے فلسفۂ تاریخ پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ یورپ کا نظریۂ تاریخ یہ ہے کہ دنیا میں دو ہی گروہ ہیں: رومی ووحشی۔ تاریخ کو اس طرح بیان کرنے سے ان کا مقصد یہ ہے کہ مغربی اقوام کی اور ان کے تمدن وتہذیب کی بالادستی و فوقیت ثابت کی جائے، اور تاریخ کی اس طرح تعلیم نوجوانوں کے دماغ میں اس کے سوا کوئی بات نہیں چھوڑتی کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوں اور اپنی پوری ثقافت وتہذیب اور اپنے مخصوص تاریخی عہد کو حقارت کی نظر سے دیکھیں۔ (ملخصاً از، ص:۹۵-۹۷)

اب غور کیجئے کہ مغربی نظامِ تعلیم جو میکالے کے دور سے آج تک اسی نہج پر چلا آرہا ہے، اسکے ساتھ اسلامی نظریات کس طرح ہم آہنگ ہوسکتے ہیں؟ اور کیا اسکا عقلی ومنطقی طور پر امکان بھی ہے؟

سادہ لوحی یا خوش فہمی:

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں ہم آہنگ ہوسکتے ہیں، وہ سادہ لوحی یا خوش فہمی میں مبتلا ہیں، مولانا عبدالماجد دریابادی جو کالج ہی کے پروردہ اور وہاں کے سرد وگرم چشیدہ بزرگ ہیں، اور ایک زمانے میں اسی مغربی تعلیم نے ان کو الحاد کا شکار بنا دیا تھا، وہ اپنی ''آپ بیتی'' میں ایک مقام پر مغربی طرزِ تعلیم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لفظ تعلیم واعلیٰ تعلیم سے مرعوب بلکہ مسحور ہوکر جو پرانے قسم کے مسلمان والدین اپنی اولاد کو بے تحاشا انگریزی

کالجوں میں جھونکتے جاتے تھے، یہ بات انکے سوچنے کی تھی، تعلیم کو وہ اپنے مکتبوں اور مدرسوں پر، اپنے دیوبند وفرنگی محل پر قیاس کررہے تھے، جہاں گانے بجانے کی آواز ہی کان میں پڑجانا ایک جرم تھا، یہاں تو اس کے برعکس گانا بجانا داخلِ ہنر اور دلیلِ کمال تھا، اور نقالی سے بچنا کیسا؟ ایکٹ کرنا سکھایا جاتا تھا، اچھی ایکٹنگ (نقالی) کی تو داد، دل بھر کر دیجاتی اور انعام اور تحفے جو ملتے وہ الگ، ایسے ماحول میں لڑکے کو ڈال کر، سادہ دل مسلمان والدین کا یہ توقع رکھنا کہ لڑکا پارسا، صالح اور کسی درجہ میں متقی ہوکر نکلے گا کس غضب کی سادہ لوحی تھی''؟ (آپ بیتی، ص: ۱۲۰ تا ۱۲۱)

اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ موجودہ نظام تعلیم کے ساتھ ایک آدمی یہ تمنا رکھے کہ اسلام کے مطابق زندگی گزاری جاسکے گی اور یہ کہ اس کے عقائد واعمال، اسلام کے مطابق باقی رہ سکیں گے، بڑا مشکل ہے۔

موجودہ نظامِ تعلیم.....ایک خاموش نسل کشی:

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ مغربی نظامِ تعلیم درحقیقت مشرق اور اسلامی ممالک میں ایک گہرے قسم کی لیکن خاموش نسل کشی کے مرادف تھا، عقلاءِ مغرب نے ایک پوری نسل کو جسمانی طور پر ہلاک کرنے کے فرسودہ اور بدنام طریقہ کو چھوڑ کر اسکو اپنے سانچے میں ڈھال لینے کا فیصلہ کیا اور اس کام کیلئے جابجا مراکز قائم کئے جن کو تعلیم گاہوں اور کالجوں کے نام سے موسوم کیا۔'' (مسلم ممالک میں مغربیت اور اسلامیت کی کشمکش: ۲۴۷)

ان باتوں کو علماء کی زبانوں سے سن کر لوگ علماء کو دقیانوسیت کی طرف منسوب کردیتے ہیں اور خود اپنے آپ کو روشن خیال سمجھتے ہیں، اسلئے یہاں میں نے بعض ان لوگوں کے حوالے بھی دیئے ہیں جن کو لوگ روشن خیال قرار دیتے ہیں اور جو خود اس تعلیم سے اخذ واستفادہ کئے ہوئے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ مغربی ذہنیت یہ ہے کہ اپنے دشمنوں اور مخالفوں کو زیر کرنے کیلئے تیغ وسنان کے بجائے، تعلیم کے نام پر دماغوں اور مزاجوں کو بدل دیا جائے، میں اوپر اس نظام تعلیم کے بانی ''لارڈ میکالے'' کی تصریح نقل کرچکا ہوں کہ وہ اس نظام سے ایک ایسا طبقہ پیدا کرنا چاہتا تھا جو رنگ ونسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مزاج اور فکر اور نظریات وخیالات کے لحاظ سے انگریز ہو، کیا اس کے بعد بھی کسی کو ہماری بات کی صداقت میں شک کی گنجائش ہے؟

لیجئے گھر کی شہادت حاضر ہے:

انگریزی تعلیم کے اس نتیجہ کیلئے میں خود انگریز کے گھر کی شہادت پیش کرتا ہوں، اوپر بھی بعض شہادتیں گزری ہیں، اب یہ بھی پڑھ لیجئے:

''ڈاکٹر ڈبلیو ہنٹر کہتا ہے: ہمارے اسکولوں اور کالجوں سے پڑھا ہوا کوئی نوجوان ہندو یا مسلمان ایسا نہیں ہے جس

نے اپنے بزرگوں کے عقائد کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو۔'' (بحوالہ ''نقش حیات''، حضرت شیخ الاسلام مدنی، ج ۲، ص: ۱۴۰)

ان تمام شہادتوں سے یہ بات کالشّمس فی نصف النہار واضح ہے کہ مغربی نظام تعلیم ونصاب تعلیم چند مخصوص نظریات اور مقاصد پر مبنی کیا گیا ہے اور وہ مقاصد ونظریات کھلے طور پر اسلامی نقطۂ نظر سے اور شرعی مقاصد سے متصادم ومتخالف ہیں۔

موجودہ مسلم عصری تعلیم گاہیں:

اس کے بعد ہمیں اس طرف نظر کرنا ہے اور اس کا جائزہ لینا ہے کہ آج مسلمانوں کی جانب سے جو عصری تعلیم گاہیں جاری وعام کی گئی ہیں، ان کا کیا حال ہے؟

ہم جب اس پہلو پر غور کرتے ہیں تو بڑے دکھ اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عام طور پر مسلمانوں کی نگرانی و سرپرستی میں چلنے والے تعلیمی ادارے بھی نصابِ تعلیم، طرزِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کے لحاظ سے عیسائی اور سرکاری تعلیم گاہوں سے کچھ بھی مختلف نہیں؛ اور وہ ساری برائیاں اور خرابیاں جو اوپر ذکر کی گئیں، ان مسلم عصری تعلیم گاہوں میں بھی علی وجہ الاتم موجود وباقی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اداروں کے بانی مبانی اور ان کے سرپرست ونگراں اور ان کے اندر کام کرنے والا عملہ، یہ سب اگرچہ مسلمان ہیں مگر ان کا فکر ونظر یہ بعینہٖ وہی ہے جو غیر مسلم دانشوروں کا ہے اور ان لوگوں نے ان اداروں کیلئے وہی سب کچھ درآمد کیا ہے جو انگریزوں اور یہودیوں نے تیار کیا ہے، اور شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر ان لوگوں نے ''مغربی نظامِ تعلیم وتربیت'' کو اس طرح قبول کرلیا ہے جیسے کہ یہ کوئی آسمانی والٰہی پیغام ہو، جس سے انحراف وتجاوز نہیں کیا جاسکتا، حتیٰ کہ مغربی نظامِ تعلیم بلکہ نظریہ تعلیم کو ان لوگوں نے اس کی ساری خامیوں اور خرابیوں کے ساتھ قبول کرلیا اور اس کے کسی نقطہ اور شوشہ کو بھی تبدیل کرنا، ان کے نزدیک اسی طرح ناروا جسارت قرار پائی جیسے کلام اللہ میں کسی طرح کی تبدیلی حرام وناجائز ہے، حالانکہ یہ مغربی نظریۂ تعلیم ان لوگوں کے ذہن کی پیداوار ہے جن کے عقائد واصول، جن کے اخلاقی اقدار وانظار، جن کے معاشرتی طور وطریقے، جن کے اقتصادی افکار ونظریئے از اول تا آخر اور مکمل طور پر اسلامی اقدار وعقائد اور نظریوں اور طریقوں سے مختلف ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب سب کچھ مغرب سے درآمد کیا گیا ہے اور اس کو جوں کا توں قبول کرکے نافذ العمل قرار دیا گیا ہے، تو ان مسلم اداروں اور دانش گاہوں کا حال، عیسائی مشنری یا سرکاری اسکولوں سے کس طرح اور کیوں کر مختلف ہوسکتا ہے؟ ان مسلم اسکولوں میں عموماً اسلام کے فرائض وبنیادی احکام تک کی پروا نہیں کی جاتی، نمازوں کا وقت ہوتا رہے اور نماز وجماعت کا کوئی نظام اسکول کی جانب سے نہیں ہوتا، بلکہ بعض اسکولوں میں یہ بھی سنا گیا کہ طلبہ نماز پڑھنا چاہتے ہیں مگر اسکول والے اپنے اوقاتِ تعلیم میں کوئی فرق وتبدیلی کرنا نہیں چاہتے، جس کی وجہ سے ان کی

نمازیں غارت ہوجاتی ہیں۔مسلم اسکولوں کے ان حالات سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان اداروں کے ذمہ داروں اور سرپرستوں کی ذہنیت کس قدر مغرب زدہ ہے۔

مسئلہ کا حل کیا ہے؟:

اب سوال یہ ہے کہ اس صورت حال سے نکلنے کی کیا صورت ہے اور تعلیمی مسئلہ کو حل کرنے کی سبیل کیا ہے؟ جس سے ایک طرف علوم وفنون سے وابستگی وتعلق بلکہ ان میں اختصار ومہارت پیدا ہو، اور دوسری طرف یہ سارے علوم وفنون، معرفت خداوندی کا ذریعہ بن جائیں، اخلاق فاضلہ کے حصول کا سبب بن جائیں اور شرافت وتہذیب کی طرف گامزن کردیں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس صورت حال سے چھٹکارا پانے کے لئے بڑی سنجیدگی اور غور وفکر کے ساتھ یکے بعد دیگرے تین باتیں طے کرنی ہوں گی:

(۱).....اولاً ہم کو ہماری حیثیت وحقیقت پر نظر ڈالنا ہوگا اور یہ طے کرنا ہوگا کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں، ہمارا مقصد وجود کیا ہے؟

(۲).....پھر ہمیں تعلیم کے مقاصد کو متعین کرنا ہوگا، کہ تعلیم حاصل کرنے یا دوسروں کو تعلیم دینے کا مقصد کیا ہے اور کیا ہونا چاہئے؟

(۳).....پھر اسی کے مطابق اسکولوں کا نصاب اور نظام طے کرنا ہوگا، کیونکہ تعلیم ہماری حیثیت وحقیقت اور ہمارے طے شدہ مقاصد کے مطابق ہونا چاہئے۔اب میں اس اجمال کی وضاحت کرتا ہوں:

پہلی بات: میں نے یہ کہی کہ ہمیں اولاً اپنی حقیقت وحیثیت پر نظر ڈالنا چاہئے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہم مسلمان ہیں، ہمارا مذہب اسلام ہے، جس میں ہمیں کچھ عقائد وافکار اور احکام واقدار کا پابند کیا گیا ہے اور ہمارے لئے یہ پابندی ناگزیر ہے، اور ہمیں جاننا اور یقین کرنا چاہئے کہ اسلام کوئی قومیت نہیں ہے بلکہ وہ ایک پاکیزہ دین ہے جو عقائد واقدار کا حامل بھی ہے اور داعی بھی، اور وہ تمام سعادتوں کا جامع بھی ہے اور کفیل بھی اور ہدایت وسعادت اسی دین کی پیروی میں منحصر ہے اور یہ ایک نظامِ حیات ہے جو انسانیت کیلئے آب حیات ہے اور مسلمان وہ امت ہے جو اللہ کے اس آخری ودائمی پیغام پر ایمان ویقین رکھتی ہے، اور اسی کے مطابق زندگی کا کارواں آگے بڑھاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جو امت ایسے دین کی پابند وحامل ہے، اس کو بہرصورت اپنے عقائد واعمال، اپنے افکار واقدار کی ہر میدان میں اور ہر موقعہ پر حفاظت کرنا لازم ہے، ورنہ وہ اس دین کی حامل ہی نہ رہے گی۔

اسی کے ساتھ ساتھ ایک اور بات کو بھی اسے فراموش نہیں کرنا چاہئے، وہ یہ کہ اس امت کی ذمہ داری صرف یہ نہیں ہے کہ اس دین پر عمل پیرا ہو جائے بلکہ اسکے ساتھ اس کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے ابدی پیغام کو دوسروں تک پہنچائے، اس کیلئے اس کو اپنے عمل اور کردار سے بھی، اور زبان وقلم سے بھی کام لے کر اس ذمہ داری کو پورا کرنا اس کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔

دوسری بات: یہ ہے کہ تعلیم کے مقصد پر نظر کرنا اور اس کو متعین کرنا بھی ضروری ہے، یہ کام بہت ہی ضروری ہے، کیونکہ ہر کام اپنے مقصد کے تابع ہوتا ہے، جب تک مقصد متعین نہ ہوگا اس وقت تک تعلیم اپنے اثرات ونتائج ظاہر نہیں کرتی۔ انگریزی ومغربی تعلیم نے اقتصادی ترقی اور عیش کوشی اور حصول مال ودولت کو اپنا مقصد قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس تعلیم کے پروردہ لوگ اور اس کی آغوشِ تربیت سے تربیت پا کر نکلنے والے افراد اپنے مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اس کے برخلاف اسلام کا نقطۂ نظر تعلیم کے سلسلہ میں یہ ہے کہ تعلیم کے ذریعہ انسان حق وباطل کی تمیز، اخلاقی اقدار کی تحصیل اور معرفت خداوندی کے حصول کے راستے تلاش کرے اور انسانی ہمدردی وغمخواری کا جذبہ لے کر انسانوں کی خدمت کرے۔ الغرض ہمیں تعلیم کے مقاصد کو شرعی انداز پر متعین کرنا چاہئے تاکہ اسی کے مطابق نصاب ونظامِ تعلیم مقرر کیا جاسکے۔

تیسری بات: اب تیسری بات کو لیجئے کہ نصاب ونظام کیا اور کیسا ہو؟ یہ بات پہلی دو باتوں کے تابع ہے کیونکہ نصاب وہ بنے گا جو ہماری حیثیت اور حقیقت سے مناسبت رکھنے والا ہو اور نظام بھی وہ تجویز ہوگا جو ہماری ذات سے ہم آہنگ ہوگا اور اسی طرح نصاب ونظام تعلیم، ان مقاصد کے موافق ہوگا جن کو ہم نے اپنی تعلیم کے مقاصد قرار دیا ہوا ہے۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ایک وہ شخص جس کو اللہ پر ایمان ویقین نہ ہو، اور وہ ایک آزاد اور من مانی زندگی گزارنے کو روا وجائز رکھتا ہو، اس کا نصاب ونظام تعلیم ایک ایسے شخص کیلئے مفید وکارآمد نہیں ہوسکتا جو اللہ پر ایمان ویقین رکھتا ہو اور اپنے لئے اسلامی طرز کی زندگی کو ضروری سمجھتا ہو۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو اب یہ سمجھنا آسان ہے کہ ہمیں مسئلہ کے حل کیلئے مغربی نصاب ونظام تعلیم کو یکسر ختم کر کے ایک ایسے نصاب اور نظام کی تشکیل کرنی ہوگی، جو ہماری ذات اور ہمارے مقاصد سے مناسبت وہم آہنگی رکھتا ہو، اور اس میں ان باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہو جن کا ایک مسلمان کو لحاظ رکھنا ہے اور اس کی طبیعت سے ان کو مناسبت ہو۔ ہم مغرب سے استفادہ اسی صورت میں کر سکتے ہیں جبکہ ہم اس نصاب اور نظام کو حذف وترمیم اور اصلاح وتجدید کی راہ سے مکمل طور پر گزاریں گے اور اس کو اس قابل بنائیں گے کہ وہ ہمارے قد وقامت پر راست آسکے۔

یہ ہے وہ عظیم ونازک ترین کام جس کے بغیر یہ امت یا تو ناکارہ رہے گی یا مغرب کی غلام بن جائے گی، یہ کام اگرچہ طویل المیعاد ہے، مگر ہے ضروری، اس لیے بہرحال اس کام کو کرنا چاہئے۔

مولوی اور معاشرہ

اوریا مقبول جان

شیر شاہ سوری کے بنائے ہوئے پیمائشِ زمین کے خوبصورت نظام کی بنیاد پر جب انگریز نے برصغیر پاک و ہند میں زمینوں کے ریکارڈ مرتب کرنے شروع کیے تو اس کے دماغ میں ایک طبقے سے شدید نفرت رچی بسی تھی اور وہ تھا اس سر زمین کا مولوی۔ انگریز کی آمد سے پہلے یہ لفظ معاشرے میں اس قدر عزت و توقیر کا حامل تھا کہ بڑے بڑے علماء و فضلاء اپنے نام کے ساتھ مولوی کا اضافہ کرتے ہوئے فخر کرتے تھے۔ انگریز کی اس طبقے سے نفرت کی بنیاد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں پڑی جس کے سرخیل یہی مسجدوں کے مولوی تھے۔ دلی کی جامع مسجد سے جہاد کے اعلان نے برصغیر کے مسلمانوں کو اس آخری معرکے کے لیے تیار کیا۔ لیکن یہ تو گزشتہ پچاس سالوں کی وہ جدوجہد تھی جو مسجدوں چٹائیوں پر بیٹھ کر دین پڑھانے والے ان مسلمان علماء نے کی تھی۔ ٹیپو سلطان کی شہادت ایسا واقعہ تھا جس نے انگریز کو برصغیر میں قدم جمانے کا موقع فراہم کیا۔ ٹیپو سلطان کی موت کی خبر اس قدر خوش کن تھی کہ آج بھی ایڈمبرا کے قلعہ میں موجود ٹیپو کی نوادرات کے ساتھ یہ تحریر درج ہے کہ اس کی موت پر پورے انگلستان میں جشن منایا گیا۔ اس کے بعد انگریز نے ساری توجہ ان مسلمان مدرسوں کو بند کرنے، ان کو مسمار کرنے اور وہاں پر ہونے والے تدریسی کام پر پابندی لگانے پر مبذول کر دی۔ شاہ ولی اللہ کا خانوادہ برصغیر کا سب سے معتبر دینی خاندان سمجھا جاتا تھا۔ اسی کے ایک سپوت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ۱۸۰۳ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا مشہور فتویٰ دیا اور برصغیر کو دارالحرب قرار دیا۔ یہی فتویٰ تھا جس کی بنیاد پر ۱۸۳۱ء میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک انھی مسجدوں کی چٹائیوں سے اٹھی۔ سانحہ بالاکوٹ کے بعد یہ تحریک ختم نہ ہوئی بلکہ اس قیادت مولانا نصیرالدین دہلوی نے سنبھالی۔ ۱۸۴۰ء میں ان کی وفات کے بعد مولانا ولایت علی عظیم آبادی اور ان کے بھائی عنایت علی عظیم آبادی نے ان کو زندہ رکھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں یہی وہ جماعت تھی جس نے اپنے شاگردوں کی صورت ایک مزاحمتی فوج تیار کی۔ مولانا احمد شاہ مدراسی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا فضل حق خیرآبادی اور دیگر علماء کی ایک طویل فہرست ہے جنھوں نے مولانا فضل حق خیرآبادی کی قیادت میں جہاد کا فتویٰ جاری کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی قیادت مولانا احمداللہ شاہ مدراسی کر رہے تھے۔ جن کے بارے میں انگریز افواج اور انتظامیہ متفق تھی کہ وہ ان کا شمالی ہند میں سب سے بڑا دشمن ہے۔ آرکائیوز کے اندر موجود دستاویز میں اس مولوی کا جس قدر خوف خط و کتاب میں دکھائی دیتا ہے وہ حیران کن ہے۔ ان کے مقابلے میں

ایک دوسرا طبقہ تھا جس کی وفاداریوں نے انگریز کے دل میں اپنی جگہ بنالی تھی۔ یہ تھا خطۂ پنجاب کا زمیندار چودھری اور نواب جنھوں نے مسلمانوں کی اس جنگ آزادی میں مجاہدین کے خلاف لڑنے کے لیے افرادی قوت فراہم کی۔ یہی نہیں بلکہ ان بڑے بڑے زمینداروں نے اپنے علاقوں میں جس طرح مسلمانوں کا خون بہایا اور انگریز کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو دبایا وہ تاریخی سچائی ہے۔ پاکستان کی اسمبلیوں میں بیٹھے ہوئے اکثر ممبران کے آباء واجداد مسلمانوں کے خلاف اس خونریزی کی قیادت کرتے تھے اور یہاں تک کہ ایک مسلمان جہادی کو مارنے کا معاوضہ صرف چند روپے لیتے تھے۔ پنجاب کی دھرتی کے یہ ''عظیم سپوت'' جن کی اولادیں آج ہماری سیاسی قیادت ہیں انگریز کے اس قدر وفادار تھے کہ جنگ عظیم اول میں جب فوج کی بھرتیاں شروع ہوئیں تو ۱۹۱۴ء میں ۲۸ ہزار میں سے ۱۴ ہزار پنجاب سے بھرتی ہوئے۔ ۱۹۱۵ء میں ۹۳ ہزار میں سے ۴۶ ہزار پنجاب سے اور ۱۹۱۶ء کے آخر تک پورے ہندوستان سے دو لاکھ تینیس ہزار نوجوان انگریز کے لیے لڑنے کے لیے فوج میں بھرتی ہوئے۔ ان میں سے ایک لاکھ دس ہزار پنجاب سے تھے۔ دوسری جانب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہزاروں علماء کو پھانسیاں دی گئیں، توپ کے ساتھ باندھ کر اڑا دیا گیا، کالا پانی بھیجا گیا مگر ان کی تحریک زندہ و جاوید رہی۔ ۱۸۶۴ء میں انبالہ سازش کیس میں مولانا جعفر تھانیسری، مولانا یحییٰ اور مولانا محمد شفیع کو پھانسی کی سزا سنائی جاتی ہے۔ شوق شہادت کا یہ عالم کہ تینوں سجدہ شکر ادا کرتے ہیں۔ انگریز ڈپٹی کمشنر پارسن اگلے دن آتا ہے اور کہتا ہے ''ہم تم کو تمہاری مرغوب سزا شہادت نہیں دیں گے بلکہ تمہیں تمام زندگی کالا پانی میں کاٹنا ہوگی۔ اس کے بعد یہ مشعل مستقل روشن رہتی ہے۔ ۱۸۶۳ء پٹنہ سازش، ۱۸۷۰ء مالوہ سازش، ۱۸۷۱ء انبالہ سازش، ۱۸۷۰ء راج محل سازش اور ایسی بے شمار بغاوتیں برصغیر کے اس مولوی کے سینے کا تمغہ ہیں جو بوریہ نشین تھا۔

انگریز جب ریونیو ریکارڈ مرتب کرنے لگا تو اس نے برصغیر اور خصوصاً پنجاب میں آبادی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک باعزت کاشتکار اور دوسرے غیر کاشتکار، کاشتکاروں میں وہ اعلیٰ نسل نواب، چودھری، سردار، وڈیرے اور خان شامل تھے جنھوں نے انگریز سے وفاداری کے صلے میں زمینیں، جاگیریں اور جائیدادیں حاصل کی تھیں۔ جبکہ غیر کاشتکاروں میں محنت مزدوری سے رزق کمانے والے لوہار، ترکھان، جولاہے، موچی وغیرہ۔ انھیں عرف عام میں کمی یعنی کمترین کہہ کر پکارا جانے لگا۔ پنجاب میں کمی کمین ایک عام لفظ ہے جو ہر متکبر زمیندار کے منہ پر ہوتا ہے۔ ریونیو ریکارڈ میں ایک ''فہرست کمیاں'' مرتب کی گئی جس میں لوہار، ترکھان، موچی، جولاہے کے ساتھ مسلمانوں کی قیادت کے دینی طبقے مولوی کو بھی شامل کر دیا گیا اور پھر گاؤں میں جو تضحیک کمی کمینوں کے حصے میں آئی مولوی کو بھی اسی تضحیک کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس کے باوجود اس طبقے نے مسجد کی چٹائی سے دین کی مشعل تھامے رکھی۔ ہزاروں دیہاتوں میں یہ واحد پڑھا لکھا فرد ہوا کرتا تھا لیکن بڑے زمیندار جو جاہل اور ان پڑھ تھے ان کی تذلیل سہتا، جوتیوں میں بٹھایا جاتا، کٹائی پر بیگار میں لگایا

جاتا مگر کمال ہے اس مرد باصفا کا کہ صبح فجر پر مسجد پہنچتا، چبوترے پر کھڑے ہو کر اذان دیتا، لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا، بچوں کے کان میں اذان دیتا، نکاح پڑھاتا اور اس ظالم چوہدری کے مرنے پر اس کے لیے قرآن بھی پڑھتا اور دعا کے لیے ہاتھ بھی اٹھاتا۔ شہروں میں بھی مولوی کو مسجد کی ڈیوٹی تک محدود کر دیا گیا۔ معاشرے سے اس کا تعلق صرف تین مواقع پر ہوتا ہے۔ پیدائش کے وقت کان میں اذان، شادی کے وقت نکاح خوانی اور موت پر مرنے والے کا جنازہ اور دعائے مغفرت۔ ملک بھر کی چھوٹی چھوٹی لاکھوں مساجد میں یہ امام ایک مزدور سے بھی کم تنخواہ پر امت کا سب سے اہم فریضہ یعنی اللہ کی جانب بلانا، ادا کرتے رہے، بچوں کو قرآن بھی پڑھاتے رہے اور پنجگانہ نماز کی امامت بھی۔ کبھی ایک سیکنڈ کے لیے بھی مساجد میں نماز لیٹ نہ ہوئی کہ مولوی اپنے مطالبات کے حق میں ہڑتال پر ہیں۔ اس معاشرے نے جو فرض عین انھیں سونپا انھوں نے معاشرے کے ہر شعبے سے زیادہ حسن وخوبی اور اخلاص کے ساتھ ادا کیا۔

اس سب کے بدلے میں انگریز کے اس تخلیق کردہ معاشرے نے مولوی کو کیا دیا۔ وہ قرآن جس کی تعلیم کو اللہ نے سب سے بہتر تعلیم قرار دیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان معلموں اور طالب علموں کو افضل ترین قرار دیا۔ یہ طالب جو اس راستے پر نکلے شام کو ہر دروازے پر دستک دے کر کھانا اکٹھا کرتے ہیں اور پھر جو روکھی سوکھی مل جائے اسے نوش جاں کرتے ہیں۔ عالیشان کوٹھیوں میں رہنے والے اپنے بچوں کو انگریزی، فزکس، کیمسٹری کے لیے ہزاروں روپے ماہانہ دے کر بہترین استاد کا بندوبست کرتے ہیں، لیکن قرآن پڑھانے کے لیے انھیں ایسا مولوی چاہیے جو دو وقت روٹی لے کر خوش اور زیادہ سے زیادہ عید پر ایک جوڑا۔ جنھیں اپنے سگے ماں باپ کو موت کے بعد نہلانا نہیں آتا، اپنے باپ یا ماں کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے مغفرت کی دعا کے دو حرف پڑھنے نہیں آتے وہ مولوی کا تمسخر اڑاتے رہے۔ اسے تضحیک کا نشانہ بناتے رہے۔ لیکن یہ مولوی اللہ کا بندہ اس معاشرے کی تمام تر ذلت اور رسوائی کے باوجود پانچ وقت اللہ کی بڑائی اور سید الانبیاء کی رسالت کا اعلان کرتا رہا۔ وہ اگر سرکار کی کسی مسجد میں ملازم ہوا تو اس کی عزت وتوقیر بھی پاؤں تلے روندی گئی۔ کسی اوقاف کے منیجر نے اس کو ہاتھ باندھ کر کھڑا کیا تو دوسری جانب کسی انگریز فوجی یونٹ کے کرنل نے بلا کر کہا او مولوی تمھیں سمجھ نہیں آتی یہ تم کیا قرآن کے الٹے سیدھے معانی نکالتے رہتے ہو، انسان کے بچے بن جاؤ ورنہ کوارٹر گارڈ بھی بند کر دوں گا۔ تمسخر، تضحیک، ذلت، لطیفے بازی سب اس مولوی کا مقدر تھی اور ہے۔ اب تو اگر کوئی اس حلیے کا شخص کسی چیک پوسٹ پر آجائے تو دہشتگردی کے شبے میں تلاشی کے عذاب سے بھی گزرتا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود اس دور کی پر آشوبی میں دین کی اگر کوئی علامت ہے تو اس بوسیدہ سی مسجد کے چھوٹے سے کوارٹر میں رہنے والا مولوی۔

(باقی صفحہ نمبر ۶۳)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا دفتری نظم

دینی مدارس کے عظیم الشان وفاق کے دفتری نظام کے بارے میں معلوماتی رپورٹ

تحریر: محمد سیف اللہ نوید
معاون ناظم مرکزی دفتر وفاق

(5) شعبہ امتحانات.....

وفاق المدارس العربیہ پاکستان ایک امتحانی بورڈ ہے اور شعبہ امتحانات ہی کسی امتحانی بورڈ کا بنیادی شعبہ ہوتا ہے۔ اسطرح شعبہ امتحانات ''وفاق'' کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ الحمدللہ! قیام وفاق سے اب تک تسلسل کے ساتھ ''وفاق'' کے تحت امتحانات کا انعقاد ہو رہا ہے۔

ابتداء میں وفاق کے کام کا حجم بہت کم تھا۔ 1960ء میں ''وفاق'' کے تحت عالمیہ بنین کا پہلا امتحان منعقد ہوا جس میں 231 طلبہ نے شرکت کی۔ لیکن اکابرین کی محنت سے رفتہ رفتہ مدارس ''وفاق'' کے ساتھ ملحق ہوتے گئے اور وفاق کی اہمیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور اس وقت ''وفاق'' کی عالمی حیثیت سب کے سامنے عیاں ہے۔

اس وقت ''وفاق'' کے ساتھ 20618 مدارس بشمول شاخہائے ملحق ہیں۔ سال 1436ھ/2015ء میں ''وفاق'' کے تحت تمام درجات میں 265795 طلبہ وطالبات کے داخلے وصول ہوئے۔ جن میں سے 250894 نے امتحانات میں شرکت کی۔ جن کے لئے 1691 امتحانی مراکز قائم کئے گئے۔ ان مراکز میں 10076 امتحانی عملہ مقرر ہوا۔

الحمدللہ! وفاق کا امتحانی نظم ایک مثالی نظم ہے۔ پورے ملک کے ملحق مدارس کے تمام درجات کے طلبہ و طالبات کا امتحان ایک ہی وقت میں منعقد ہوتا ہے اور امتحان کے انعقاد سے ایک ماہ کے اندر نتائج کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اس وقت ''وفاق'' کے تحت چوبیس درجات کے امتحانات منعقد ہو رہے ہیں۔

بنین		بنات	
نمبر شمار	درجہ	نمبر شمار	درجہ
1	عالمیہ سال اول	13	عالمیہ سال اول
2	عالمیہ سال دوم	14	عالمیہ سال دوم
3	عالیہ سال اول	15	عالیہ سال اول
4	عالیہ سال دوم	16	عالیہ سال دوم
5	ثانویہ خاصہ سال دوم	17	ثانویہ خاصہ سال اول
6	ثانویہ عامہ	18	ثانویہ خاصہ سال دوم
7	متوسطہ	19	ثانویہ عامہ
8	تحفیظ القرآن الکریم	20	تحفیظ القرآن الکریم
9	تجوید للحفاظ	21	تجوید للحافظات
10	تجوید للعلماء	22	تجوید للعالمات
11	دراسات دینیہ سال اول	23	دراسات دینیہ سال اول
12	دراسات دینیہ سال دوم	24	دراسات دینیہ سال دوم

شعبہ امتحانات میں ہر درجہ پر ایک ذمہ دار مقرر ہے، جو اپنے متعلقہ درجے کے تمام امور کی انجام دہی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ جس میں داخلہ فارموں کی وصولی سے لے کر اسناد کی ترسیل تک تمام امور شامل ہیں۔

شعبہ امتحانات کی ذمہ داریاں وخدمات.....

وصولی داخلہ.....

امتحانات کا پہلا مرحلہ داخلے کا ہے۔ ''وفاق'' کے تحت داخلے یکم ربیع الاول سے شروع ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے مدارس کی طرف سے موصول ہونے والے داخلہ فارموں کو درجہ وار الگ کیا جاتا ہے۔

داخلہ فارموں کی جانچ پڑتال.....

فارموں کو الگ کرنے کے بعد ان کی جانچ پڑتال شروع ہوتی ہے۔ ہر طالب علم کا سابقہ ریکارڈ چیک کیا جاتا ہے۔ بنین کے درجات میں وقفوں کا بھی خیال رکھا جاتا ہے اور طلبہ کی تصاویر اسکین کر کے کمپیوٹر میں ان کے رول نمبروں سے منسلک کی جاتی ہیں۔ بعض قواعد وضوابط تو یکساں ہوتے ہیں جبکہ بعض ضوابط مختلف درجات میں الگ الگ ہوتے ہیں۔ ہر درجہ کا ذمہ دار اپنے متعلقہ قواعد وضوابط کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے فارموں کی جانچ پڑتال مکمل کرتا ہے۔ اس دوران ناقص پائے جانے والے داخلہ فارم تکمیل کے لئے مدارس کو واپس بھجوائے جاتے ہیں۔

مراکز امتحان کا قیام اور داخلہ فارموں کا اندراج.....

''وفاق'' ہر ادارہ کو الحاق نمبر جاری کرتا ہے جس کے تحت اس کا جملہ ریکارڈ محفوظ کیا جاتا ہے۔ حسب ضابطہ امتحانی مراکز قائم کیے جاتے ہیں۔ ان مراکز میں الحاق نمبر کے تحت ہر درجہ کے داخلہ فارموں کی تعداد الگ الگ درج کی جاتی ہے۔ بعد میں مراکز کی فہرست مسئولین کو بھجوا کر ان کی آراء کی روشنی میں امتحانی مراکز حتمی کیے جاتے ہیں۔

رول نمبروں کا اجراء وترسیل.....

حتمی جانچ پڑتال، مراکز کے حتمی تعین کے مراحل سے گزر کر اگلا مرحلہ کمپیوٹر میں رقم الجلوس (رول نمبر) کے اجراء کا ہوتا ہے۔ اس میں الحاق نمبر اور مرکز نمبر کے ساتھ ساتھ علاقائی وصوبائی ترتیب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ 10 رجب المرجب تک تمام مدارس کو رول نمبر سلپ بھجوادی جاتی ہے۔

امتحانی مرکز کا تعین.....

امتحانی مراکز حتمی ہونے کے بعد ہر امتحانی مرکز کے مہتمم صاحب کو بذریعہ خط امتحانی مرکز کے متعین ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے۔ اس خط کے ساتھ امتحانی مرکز میں شامل مدارس کی فہرست بمع درجہ وار رتعداد طلبہ و طالبات بھی بھجوائی جاتی ہے۔ سال 1436ھ میں مراکز کی تعداد 1691 تھی۔

نگران عملہ کے تقرر ناموں کی ترسیل.....

حسب ضابطہ ہر امتحانی مرکز پر ایک نگران اعلیٰ اور تعداد کے تناسب سے معاون نگران مقرر کیے جاتے

ہیں۔مسئولین کی تجاویز کی روشنی میں حتمی ہونے والے معاونین اور نگران اعلیٰ کو تقرر نامے ارسال کیے جاتے ہیں۔

امتحانی مراکز کی فائلوں کی ترسیل.....

ہر نگران اعلیٰ کو اس کے متعلقہ امتحانی مرکز کی فائل بھجوائی جاتی ہے۔جس میں امتحانی نظم سے متعلق تفصیلی ہدایات، جدول الاختبار (ڈیٹ شیٹ)، طلبہ / طالبات کے درجہ وار کشف الحضور، نشست کارڈ، یومیہ رپورٹ کے اوراق، زائد اوراق کا اندراج، جوابی کاپیوں کی تعداد اور حق الخدمت کی ادائیگی کا بل شامل ہوتا ہے۔امتحانی مرکز میں شامل مدارس کی فہرست اور نگران عملہ کی مکمل فہرست بھی اس میں شامل ہوتی ہے۔امتحانی مرکز کے نظم کا دارومدار اسی فائل پر ہوتا ہے۔

جوابی کاپیوں کی ترسیل.....

''وفاق'' کی جوابی کاپیوں پر سیریل نمبر پرنٹ کیا جاتا ہے۔سیریل نمبر کی ترتیب سے مراکز کو طلبہ / طالبات کی تعداد کے مطابق جوابی کاپیاں اور زائد اوراق بھجوائے جاتے ہیں۔جوابی کاپیوں کے بنڈل کپڑے کے تھیلوں میں پیک کر کے، لاک لگا کر نگران اعلیٰ کے نام ارسال کیے جاتے ہیں۔دوران امتحان ہر طالب علم کو جاری کی جانے والی جوابی کاپی کا نمبر کشف الحضور میں درج کیا جاتا ہے۔نیز فائل میں جوابی کاپیوں کی بیلنس شیٹ ہوتی ہے۔جس میں امتحان کے اختتام پر نگران اعلیٰ جوابی کاپیوں کی تفصیل درج کر کے دفتر کو بھجواتے ہیں۔

امتحان کا انعقاد.....

بالآخر تمام مراحل سے گزرنے کے بعد حتمی مرحلہ یعنی امتحان کے انعقاد کا وقت آن پہنچتا ہے اور امتحان اپنی مقررہ تاریخوں میں منعقد ہوتا ہے۔عموماً وفاق کے امتحانات رجب کے آخری ہفتے یا شعبان کے پہلے ہفتے میں منعقد ہوتے ہیں۔الحمدللہ! وفاق کا امتحان کبھی بھی اپنی مقررہ تاریخوں سے موخر نہیں ہوا اور ہمیشہ نتائج کا اعلان بھی بروقت کر دیا جاتا ہے۔

جوابی کاپیوں کی وصولی.....

امتحان کے بعد جوابی کاپیوں کی وصولی شروع ہو جاتی ہے جو کہ ہر امتحانی مرکز سے یومیہ بنیاد پر دفتر وفاق کو بھجوائی جاتی ہیں۔دفتر میں روزانہ وصول ہونے والے پیکٹ کھول کر درجہ اور پرچہ وار جوابی

کاپیاں الگ الگ کی جاتی ہیں۔

فرضی نمبروں کا اجراء.....

ہر جوابی کاپی کے لئے ایک فرضی رول نمبر جاری کیا جاتا ہے۔فرضی نمبر جوابی کاپی کے سرورق اور اس پر لگی ہوئی سلپ پر لکھا جاتا ہے،اس کے بعد یہ سلپ الگ کر لی جاتی ہے جس پر فرضی اور اصل دونوں رول نمبر لکھے ہوتے ہیں جبکہ جوابی کاپی پر صرف فرضی نمبر باقی رہ جاتا ہے۔اس طرح درجہ کے ذمہ دار کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس کی جوابی کاپی ہے۔

مارکنگ کے لئے بنڈلوں کی تیاری.....

ہر کتاب کے پرچوں کے الگ الگ بنڈل مارکنگ کے لئے تیار کیے جاتے ہیں۔یہ بنڈل فرضی رول نمبر کی ترتیب سے ہوتے ہیں اور ہر درجے کی یومیہ مقررہ مقدار کے مطابق بنڈل بنائے جاتے ہیں۔اس کے بعد ان بنڈلوں کو بوروں میں پیک کر کے مارکنگ کے مقام پر پہنچایا جاتا ہے۔

پرچہ جات کی مارکنگ کا نظم.....

امتحان مکمل ہونے کے تین دن بعد مارکنگ عمل شروع ہوتا ہے اور 12 سے 14 ایام میں مکمل ہوتا ہے۔ مارکنگ کے لئے ملک بھر کے مدارس سے ماہر اساتذہ کو دعوت دی جاتی ہے۔مسئولین اور امتحانی کمیٹی کی سفارشات کی روشنی میں ان کا انتخاب کیا جاتا ہے۔امسال نوسو سے زائد ممتحنین نے مارکنگ میں حصہ لیا۔چونتیس ممتحنین اعلیٰ مقرر تھے۔مزید نگرانی کے لئے امتحانی کمیٹی بھی موجود ہوتی ہے۔ہر درجہ کے پرچوں کی الگ الگ یومیہ تعداد مقرر ہوتی ہے۔اسی کے مطابق ممتحنین کی مارکنگ کی یومیہ مقدار اور معیار کو بھی چیک کیا جاتا ہے۔ممتحن اعلیٰ ہر ممتحن کی چیک کی ہوئی جوابی کاپیوں میں سے روزانہ چند پرچے چیک کرتے ہیں،اسی طرح امتحانی کمیٹی بھی حسب ضرورت چیک شدہ پرچوں کو دوبارہ ملاحظہ کرتی ہے۔حضرت صدر وفاق دامت برکاتہم العالیہ اور حضرت ناظم اعلیٰ وفاق مدظلہم بذات خود مارکنگ کے نظم کی مکمل نگرانی فرماتے ہیں اور مارکنگ کے عرصہ میں یہاں قیام فرماتے ہیں۔ممتحنین اعلیٰ اور امتحانی کمیٹی کا مشترکہ اجلاس یومیہ بنیاد پر ہوتا،جس کی صدارت حضرت صدر وفاق دامت برکاتہم یا حضرت ناظم اعلیٰ وفاق مدظلہم فرماتے ہیں۔اس اجلاس میں ممتحنین کی یومیہ کارکردگی پیش کی جاتی ہے۔ناظم دفتر وفاق حسب ضرورت اصلاح طلب امور پر عملدرآمد کرواتے ہیں۔

ممتحنین حاصل کردہ نمبر کشف الدرجات پر منتقل کر کے چیک شدہ بنڈل بمع کشف الدرجات ممتحن اعلیٰ

کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جہاں معاونین ان نمبروں کے اندراج اور میزان کو دوبارہ چیک کرتے ہیں اور مکمل تسلی کے بعد دفتر وفاق کے حوالے کرتے ہیں۔

نتائج کی تیاری.....

نتائج کی تیاری کے مرحلے میں سب سے پہلے کشف الدرجات پر معاونین کی مدد سے اصل رول نمبر درج کروائے جاتے ہیں۔ اصل رول نمبر اس سلپ سے حاصل کیا جاتا ہے جس کو پہلے فرضی رول نمبر کے اجراء کے بعد جوابی کاپی سے الگ کیا جاتا ہے۔ اصل رول نمبر کے اندراج کے بعد ہر شعبہ کا ذمہ دار کشف الدرجات سے کمپیوٹر میں ہر طالب کے پرچہ وار الگ الگ نمبر درج کرتا ہے۔ یہ اندراجات پورا سٹاف دن رات ایک کر کے مکمل کرتا ہے۔ اس کا پرنٹ نکال کر اصل کشف الدرجات کے ساتھ پروف ریڈنگ کی جاتی ہے۔ ان مراحل کے بعد آخر میں کشف الحضور (حاضری شیٹ) سے ہر طالب علم کی حاضری چیک کی جاتی ہے۔ اس کے بعد شعبہ آئی ٹی ان نتائج کو یکجا کر کے مرتب کرتا ہے اور ایک مرتبہ پھر نمبروں کے اندراج کو دوبارہ چیک کیا جاتا ہے۔

امتحانی رپورٹوں پر کارروائی.....

امتحانی مراکز سے موصول ہونے والی ہر فائل کو ملاحظہ کیا جاتا ہے۔ کسی بھی طالب علم یا طالبہ کے بارے میں دوران امتحان شکایت ہو تو اس کے جرم کے مطابق حسب ضابطہ کمپیوٹر میں رپورٹ درج کی جاتی ہے۔ اسی طرح مدرسہ کے بارے میں شکایت ہو تو اس کے خلاف بھی حسب ضابطہ تادیبی کارروائی عمل میں لائی جاتی ہے۔

تیس پوزیشنوں پر نظر ثانی.....

مجلس عاملہ وشوریٰ کے فیصلے کے مطابق نتائج کے اعلان سے قبل ہر درجہ کی پہلی تیس پوزیشنوں پر دفتر از خود نظر ثانی کرتا ہے (اس کے بعد ان پر نظر ثانی نہیں ہوتی)۔ چنانچہ درجات کے ذمہ داران پہلی تیس پوزیشنوں کی لسٹ شعبہ آئی ٹی سے حاصل کر کے ان کے تمام پرچے بنڈلوں سے نکالتے ہیں۔ ممتحن اعلیٰ کی رائے کی روشنی میں سالانہ امتحان کے معیاری ممتحنین سے ان کے متعلقہ پرچوں پر نظر ثانی کروائی جاتی ہے۔ ممتحنین کو ہدایت کی جاتی ہے کہ نمبروں میں کمی وبیشی کی صورت میں اس کی وجہ بھی تحریر کریں۔ ممتحنین بعد از نظر ثانی دوبارہ کشف الدرجات مرتب کر کے دفتر کے حوالے کرتے ہیں۔ چنانچہ نظر ثانی شدہ نمبروں کو دوبارہ درج کیا جاتا ہے۔

نتائج کا اعلان.....

تیس پوزیشنوں کے نمبروں کے اندراج کے بعد شعبہ آئی ٹی دوبارہ نتائج کو اپ ڈیٹ کرتا ہے۔اس کے بعد حتمی پوزیشنوں کی فہرست مرکزی وصوبائی سطح پر الگ الگ تیار کی جاتی ہے۔نتائج کے اعلان کے لئے درجہ وار، صوبہ وار اور مجموعی اعداد وشمار کے گوشوارے تیار کیے جاتے ہیں۔اس کے بعد حضرت صدر وفاق دامت برکاتہم اور حضرت ناظم اعلیٰ وفاق مدظلہم نتائج کا اعلان فرماتے ہیں۔''وفاق'' کے سالانہ نتائج کا اعلان شعبان کے آخری ہفتے میں یا یکم رمضان تک کر دیا جاتا ہے۔

نتائج کی ترسیل.....

نتائج کا اعلان ہوتے ہی تمام مدارس کے نتائج کی پرنٹنگ کی جاتی ہے۔ہر درجہ کا ذمہ دار پرنٹ شدہ نتائج کو مدرسہ وار الگ الگ کر کے ان پر وفاق اور ناظم دفتر وفاق کی تصدیقی مہر ثبت کرتا ہے اور بنین و بنات کے نتائج الگ الگ ہر مدرسہ کے لئے پیک کر کے ڈاک کے حوالے کیے جاتے ہیں۔رمضان المبارک میں یہ مرحلہ مکمل ہو جاتا ہے۔

سالانہ امتحان کے پرچہ جات پر نظر ثانی.....

شوال المکرّم میں پرچہ جات پر نظر ثانی کی درخواستیں وصول کی جاتی ہیں اور ان پر حسب ضابطہ کارروائی کے بعد درخواست دہندہ طلبہ وطالبات کے پرچے بنڈلوں سے نکال کر ممتحنین کے حوالے کیے جاتے ہیں۔جو کہ بعد از نظر ثانی نیا کشف الدرجات مرتب کر کے درجہ کے ذمہ داران کے حوالے کرتے ہیں۔متعلقہ ذمہ دار نظر ثانی شدہ نمبروں کا کمپیوٹر میں اندراج کر کے اپ ڈیٹ کرواتا ہے۔جس کے بعد نظر ثانی شدہ نتیجہ مدارس کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔

ضمنی امتحان.....

ماہ شوال میں ہی ضمنی امتحان کے داخلے وصول کیے جاتے ہیں اور ذیقعدہ کے آخر میں ضمنی امتحان منعقد ہوتا ہے۔سالانہ امتحان کی طرز پر ضمنی امتحان کا مکمل عمل دہرایا جاتا ہے اور ضمنی امتحان کے نتائج عید الاضحیٰ سے قبل مدارس کو ارسال کر دیے جاتے ہیں۔

اسناد و کشف الدرجات کی تیاری وترسیل.....

سالانہ و ضمنی امتحان میں کامیابی حاصل کرنے والی طلبہ وطالبات کی اسناد و کشف الدرجات کی پرنٹنگ کا

کام شوال المکرّم سے شروع ہوکر ذوالحجہ میں مکمل ہوتا ہے۔ پرنٹنگ کے بعد ذمہ داران اپنے اپنے درجات کی اسناد و کشف الدرجات کو چیک کرتے ہیں۔ کمی بیشی کی صورت میں شعبہ آئی ٹی سے رجوع کرتے ہیں۔ مدرسہ وار اسناد و کشف الدرجات الگ الگ کرکے ان پر مہریں ثبت کرتے ہیں۔ مکمل اطمینان کے بعد ماہ محرم میں ہر مدرسہ کو اس کی اسناد بمع کشف الدرجات ارسال کی جاتی ہیں۔

آئندہ امتحان کے لئے داخلہ فارموں کی ترسیل.....

سالانہ امتحان کی اسناد کے ساتھ آئندہ امتحان کے لئے داخلہ فارم بھی بھجوائے جاتے ہیں۔ ہر مدرسہ کو درجہ وار مطلوبہ تعداد کے مطابق داخلہ فارم ارسال کیے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک سال کے کام کی تکمیل ہوجاتی ہے۔

(6) شعبہ ڈاک.....

دفتر وفاق میں آنے والی تمام ڈاک شعبہ ڈاک وصول کرتا ہے۔ ''وفاق'' سے ملحق اداروں کی ڈاک ان کے الحاق نمبر کے تحت درج کی جاتی ہے جبکہ غیر ملحق اداروں یا انفرادی ڈاک کو شخصی پتے کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔ آنے والی ہر ڈاک کو کمپیوٹر میں درج کیا جاتا ہے اور الگ الگ ڈاک نمبر جاری ہوتا ہے۔ ہر شعبہ کی ڈاک اس کے ذمہ دار کے حوالے کی جاتی ہے اور وصولی کے دستخط لیے جاتے ہیں۔ اسی طرح دفتر وفاق سے جانے والی تمام ڈاک بھی کمپیوٹر میں درج کی جاتی ہے۔ واپس جانے والی جوابی ڈاک کو اسی پہلے نمبر کے تحت درج کیا جاتا ہے، جبکہ دفتر سے بھیجی جانے والی نئی ڈاک کو الگ نمبر جاری کیا جاتا ہے۔ ہر ماہ پندرہ ہزار ''ماہنامہ وفاق المدارس'' بھی ارسال کیا جاتا ہے۔ سال 1435ھ میں دفتر وفاق سے 105577 ڈاک بھیجی گئی اور 44678 وصول کی گئی۔

(7) شعبہ ریکارڈ.....

ریکارڈ کی حفاظت.....

اس شعبہ کی بنیادی ذمہ داری ''وفاق'' کے جملہ ریکارڈ کو ترتیب سے رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا ہے۔ الحمدللہ! قیام وفاق سے اب تک کا مکمل ریکارڈ ''وفاق'' کے شعبہ ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

1960ء سے اب تک ''وفاق'' کے امتحانات میں شرکت کرنے والے طلبہ و طالبات کے داخلہ فارم، کشف الحضور، کشف الدرجات اور مکتب النتائج جلدوں کی شکل میں محفوظ ہیں۔

درستگی کوائف، مثنیٰ اسناد.....

شعبہ ریکارڈ مقررہ قواعد وضوابط کے مطابق ریکارڈ میں درستگی کر کے مثنیٰ اسناد جاری کرتا ہے۔

تصدیقات اسناد، این او سی.....

شعبہ ریکارڈ اسناد کی تصدیق کرتا ہے اور بوقت ضرورت فضلاء و فاضلات کو این او سی (اجازت نامہ) جاری کرتا ہے۔ درج بالا امور سے متعلق اور ہائیر ایجوکیشن کمیشن سے معادلہ اسناد کے حصول کے لئے معلومات فراہم کرتا ہے۔

(8) شعبہ الحاق.....

''وفاق'' کے آغاز سے ہی مدارس کے الحاق کا سلسلہ جاری ہے۔ البتہ 1999ء میں اس شعبہ کی بھی تنظیم نو ہوئی۔ اپریل 1999ء میں تمام ملحق مدارس کا از سر نو الحاق کیا گیا۔

الحاق فارم میں درج قواعد وضوابط کے مطابق مدارس کا جدید الحاق، ترقی الحاق، تجدید الحاق و بحالی الحاق کیا جاتا ہے۔ الحاق کے لئے متعلقہ مسئول یا رکن مجلس عاملہ کی تصدیق ضروری ہوتی ہے۔ وفاق المدارس سے الحاق کے خواہشمند اداروں کی درخواستیں شعبہ الحاق وصول کرتا ہے۔ الحاق فارم کی جانچ پڑتال کے بعد ناظم دفتر سے منظوری حاصل کر کے فارم الحاق میں موجود تمام کوائف کمپیوٹر میں درج کر کے الحاق نمبر جاری کیا جاتا ہے اور سند الحاق جاری کی جاتی ہے۔ الحاق نمبر کو ہر مدرسہ کے اکاؤنٹ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، جس کے تحت اس کا تمام ریکارڈ درج ہوتا ہے۔ نیز شعبہ الحاق ملحق مدارس کو عند الطلب الحاق کا تصدیق نامہ جاری کرتا ہے۔

(9) شعبہ نشر واشاعت.....

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان رسالہ ,,وفاق المدارس،، پہلی مرتبہ سہ ماہی مجلّہ کے طور پر رجب 1421ھ میں شائع ہوا۔ محرم الحرام 1425ھ سے رسالہ کی اشاعت بطور ماہنامہ شروع ہوئی۔

ماہنامہ وفاق المدارس تمام ملحق مدارس و دیگر قارئین کو ارسال کیا جاتا ہے۔ اس میں ''وفاق'' کی پالیسی، اہم فیصلے، اجلاسوں کی کارروائیاں، نصاب میں تبدیلی و اکابرین کی ہدایات کو مدارس کی رہنمائی و استفادہ کے لئے بطور خاص شائع کیا جاتا ہے۔

(10) شعبہ استقبالیہ.....

شعبہ استقبالیہ دفتر وفاق میں تشریف لانے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہتا ہے۔ دفتری امور کے بارے میں مطلوبہ معلومات فراہم کرتا ہے اور متعلقہ شعبہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ دفتر وفاق کے پی ٹی سی ایل نمبروں پر موصول ہونے والی ٹیلیفون کالز کو اٹینڈ کرتا ہے۔ ان کو بھی معلومات کی فراہمی یا متعلقہ شعبہ جات سے رابطہ کرواتا ہے۔

(11) شعبہ سیکیورٹی.....

موجودہ ملکی حالات کے تناظر میں دفتر کی سیکیورٹی کا نظم بھی سخت کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں دن اور رات میں الگ الگ سیکیورٹی اہلکار ڈیوٹی انجام دیتے ہیں۔ انٹری گیٹ پر دفتر میں آنے والے تمام مہمانوں کے کوائف کا اندراج ہوتا ہے۔ ہر مہمان کا اصل شناختی کارڈ تا وقت روانگی شعبہ سیکیورٹی کے پاس جمع رہتا ہے۔

وفاق کی عالمی حیثیت، انٹرنیشنل ایوارڈ.....

الحمدللہ! وفاق المدارس ایک عالمی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ سال 1435ھ/2014ء میں ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کو سب سے زیادہ (63556) حفاظ تیار کرنے پر رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے ''خدمت قرآن کریم'' انٹرنیشنل ایوارڈ سے نوازا گیا۔ یہ ایوارڈ حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم ناظم اعلیٰ وفاق نے گورنر مکہ جناب شہزادہ مشعل بن عبداللہ حفظہ اللہ سے وصول فرمایا۔ ایک عالمی تنظیم کی طرف سے پاکستانی ادارے کے لئے عالمی ایوارڈ پوری قوم کے لئے باعث صد افتخار اور پاکستانی اداروں کے مشعل راہ ہے۔

ان شاندار کامیابیوں کے بعد مستقبل میں مزید اہداف بھی ''وفاق'' کے پیش نظر ہیں اور ادارے کے کام کے حجم میں مسلسل تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ صورت حال دفتر کی توسیع کی متقاضی ہے۔ تاکہ کارکنان کا عزم و حوصلہ برقرار رہے اور ان کی کارکردگی کا تسلسل قائم رہے۔ (ختم شد)

☆☆☆

☆.....تبصرے کے لیے دو کتابیں بھیجنا ضروری ہے۔
☆.....کتابیں مرکزی دفتر کے پتے پر بھیجئے۔

تسہیل الآثار فی حل آثار السنن

تالیف: حضرت مولانا سیف الرحمٰن صاحب مدظلہم

صفحات: 456۔طباعت: مناسب۔ قیمت: لکھی نہیں۔ ملنے کا پتا: جامعہ عمر بن الخطاب، سوفٹی روڈ چوک فاروق اعظم شاہ رکن عالم کالونی ملتان۔فون: 0306-7332451

''آثار السنن'' درسِ نظامی میں شامل اہم ترین کتاب ہے، چونکہ اس کی ترتیب و تالیف احناف یعنی ہمارے مذہب کے مطابق ہے، اس لیے اساتذہ کرام خاص توجہ سے اس کی تدریس کیا کرتے ہیں۔آثار السنن کے مولف حضرت العلام مولانا محمد بن سبحان علی النیموی ہیں۔آپ کی کنیت ابوالخیر اور تخلص 'شوق نیموی' تھا، صدیقی النسب تھے، جید عالم، وسیع النظر، محقق محدث اور وسیع المطالعہ تھے۔آپ متحدہ ہندوستان کے صوبہ بہار کے ایک دیہہ ''صالح پور'' میں ۱۲۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔یہیں مخدوم الملک حضرت شرف الدین منیری کا مرقد ہے، جو اولیاء سلف میں بڑا مقام رکھتے تھے۔مولانا محمد بن سبحان علی النیموی رحمہ اللہ کے اساتذہ میں مولانا عبداللہ غازی پوری، مولانا محمد سعید عظیم آبادی، حضرت علامہ عبدالحئ لکھنوی رحمہم اللہ کے نام ملتے ہیں۔آپ قطب دَوراں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ سے بیعت تھے۔ ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ میں آپ کی وفات 'عظیم آباد' میں ہوئی۔

مختلف علوم وفنون میں آپ کی متعدد تالیفات ہیں۔ان میں عظیم شاہکار آپ کی کتاب ''آثار السنن'' ہے۔اسے کتب احکام کی طرز پر تالیف کیا گیا ہے۔'آثار السنن' اپنے مستدلات اور حسنِ تالیف کی وجہ سے روز اول سے ہی علمی حلقوں میں معروف و متداول ہے۔حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ اور علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ جیسے اساطین علم نے اس کی تحسین کی ہے۔

آثار السنن کے شارح حضرت مولانا سیف الرحمٰن صاحب مدظلہم کہنہ مشق اور جید استاذ علوم وفنون ہیں۔انہوں نے ''آثار السنن'' کی ''تسہیل السنن'' کے عنوان سے تشریح فرمائی ہے۔آسان، عام فہم ترجمہ وتشریح، مشکل الفاظ

کے معانی، صورت مسئلہ کا آسان بیان، دیگر ائمہ کے مذاہب کا ذکر، احادیث کے رُواۃ پر کہیں کلام کی ضرورت ہے تو اسے بھی بقدر ضرورت دیا گیا ہے۔

ہمارے زمانہ طالب علمی میں اس طرح کی کتابوں سے گریز واحتراز کا مشورہ دیا جاتا تھا، اور کتاب کے حل کے لیے ذاتی محنت وکاوش پر زور دیا جاتا تھا مگر اب ہمتیں کمزور پڑ گئی ہیں اور طبیعتیں آسانیاں ڈھونڈتی ہیں، اس لیے شروحات کا دور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اساتذہ کے علم وعمل اور عمر میں اضافہ وبرکت عطا فرمائے کہ وہ ہم جیسے کم ہمتوں کے لیے بھی سایہ رحمت ہیں، اور متداول علوم وفنون کو آسان تر بنا کر طلبہ کرام کے لیے پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کی محنتوں کی جزا عطا فرمائیں، آمین!

☆☆☆

فضائلِ اعمال

تالیف: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

تخریج جدید: مفتی محمد زکریا اَشرف۔ صفحات: 888۔ طباعت: عمدہ، اعلیٰ سفید پیپر، قیمت: 320 روپے صرف

ملنے کا پتا: قرآن محل، اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک، روالپنڈی، فون: 0321-5123698

کتاب ''فضائلِ اعمال'' تبصرے کے لیے موصول ہوئی تو حیرت کی انتہا نہ رہی۔ عموماً تبصرہ نو وارد کتابوں پر کیا جاتا ہے تاکہ ان کا تعارف واطلاع ہو جائے۔ ''فضائلِ اعمال'' محتاج تبصرہ وتعارف نہیں مگر جب ورق گردانی کی تو معلوم ہوا کہ اس کی موجودہ اشاعت پر خاصی محنت کی گئی ہے۔ فضائلِ اعمال کو علمی نقطۂ نظر سے قابلِ افادہ واستفادہ بنانے کے لیے درج ذیل خطوط پر کام کیا گیا ہے:

۱.....حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی ذکر کردہ عربی زبان میں تمام احادیث کی فنی حیثیت کو واضح کیا گیا ہے، یعنی ہر حدیث کی صحت، حسن اور ضعف کے لحاظ سے نشان دہی کی گئی ہے۔

۲.....احادیث کی تخریج کے ضمن میں جن کتب کا عربی عبارات میں حوالہ دیا گیا ہے ان کتب کے اَبواب، جلد نمبر اور صفحہ نمبر کی تعیین کی گی ہے۔

۳.....فوائد وتشریح کے ضمن میں ذکر کردہ احادیث کے مآخذ مراجع حاشیہ میں ذکر کیے گئے ہیں۔

۴.....حکایات صحابہ میں ذکر کردہ واقعات جن کتب احادیث میں دستیاب ہوئے، ان کی حاشیہ میں تصریح کر دی گئی ہے۔

۵.....کتاب کے آخر میں مشکل الفاظ کے حل کیلیے فرہنگ دی گئی ہے تاکہ کسی لفظ کا معنیٰ ومطلب سمجھنا ہو تو اس

سے مدد لی جاسکے۔

مزید برآں کتاب کے متن کا فانٹ کافی مناسب رکھا گیا ہے۔خصوصاً احادیث شریف کا فانٹ اور حرکات نہایت واضح ہیں، تاکہ عربی سے معمول شد بد رکھنے والا شخص بھی آسانی کے ساتھ حدیث شریف کا اصل متن پڑھ سکے۔حروف خوانی خاصی احتیاط سے کی گئی ہے۔کتاب کے متن کو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے منہج پر رکھا گیا ہے، حتی کہ ''آوے جاوے'' کو بھی نہیں بدلا گیا، یہ انداز اب باقی نہیں رہا ہے۔اگر کتاب کی جدید تخریج وتحقیق کے دوران اسے ''آئے، جائے'' میں بدل لیا جاتا تو بہتر ہوتا۔بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ''فضائل اعمال'' کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔اس کے حُسن طباعت کو دیکھتے ہوئے قیمت کافی کم اور مناسب لگی۔اللہ تعالیٰ اس نسخے کو اپنے ہاں قبول اور عندالناس مقبول بنادیں۔(آمین)۔

زم زم پبلشرز کراچی کی مطبوعات

فوائد مکیہ:

فوائد مکیہ فن تجوید کی معروف کتاب ہے۔اِسے استاذ الاساتذہ مولانا القاری المقری مولانا عبدالرحمٰن مکی صاحب رحمہ اللہ نے تالیف فرمایا تھا۔برصغیر پاک و ہند میں شاید ہی کوئی مدرسہ ہو جس میں یہ کتاب داخلِ نصاب نہ ہو۔اگرچہ یہ مختصر رسالہ ہے، مگر دریا بکوزہ کے مصداق فن تجوید کے تمام رموز کو سموئے ہوئے ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کی اہل ذوق نے مختلف شروحات لکھی ہیں۔ہمارے پاس تبصرے کے لیے جو نسخہ آیا ہے اس پر مولانا قاری محبّ الدین صاحب ناروی نے ''حواشی مرضیہ'' کے نام سے عمدہ حواشی لکھے ہیں۔مزید تسہیل واضافہ برحواشی مرضیہ مولانا قاری محمد رضوان ابن غلام رسول کے قلم سے ہیں۔زم زم پبلشرز نے اس کتاب کی دورنگا عمدہ طباعت کرائی ہے۔177 صفحات پر مشتمل یہ کتاب 160 روپے میں دستیاب ہے۔

سیرت خاتم الانبیاء:

یہ کتاب مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تالیف لطیف اور داخل نصاب ہے۔ابتدائی درجات کے طلبہ کے لیے بے حد مفید ہے۔اسے مولانا محمد سعید بن ہارون دَمنی کی عمدہ تعلیقات کے ساتھ دورنگوں میں شایع کیا گیا ہے۔کل صفحات 175، قیمت 220 روپے ہے۔

عربی صفوۃ المصادر مع لغاتِ جدیدہ:

''صفوۃ المصادر'' حضرت مولانا مشتاق احمد چرتھاوَلی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔اول روز سے ہی مدارس دینیہ

مین داخ نصاب ہے۔ اسے مولانا ابو بکر صاحب پٹنی (استاذ جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل) کی تعدیلات و اضافات کے ساتھ شایع کیا گیا ہے۔ صفوۃ المصادر کے جدید ایڈیشن میں ہر باب کو حروف تہجی کی ترتیب پر استوار کیا گیا ہے۔ اہم مصادر کا اضافہ کیا گیا ہے۔ جو مصادر نادر الاستعمال تھے انہیں حذف کیا گیا ہے (ایسا نہ کیا جاتا تو بہتر تھا) صحیح افعال کے مصادر کو پہلے، پھر مضاعف، اس کے بعد معتل اور لفیف وغیرہ کو درج کیا گیا ہے۔ نیز عربی زبان کے بہت سے ایسے الفاظ، جن کی لکھنے پڑھنے اور بولنے میں اکثر اوقات ضرورت ہوتی ہے، کو بھی خاص ترتیب کے ساتھ دیا گیا ہے۔ غرض ''صفوۃ المصادر'' کو مفید سے مفید تر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کل صفحات 128 ہیں اور قیمت 160 روپے ہے۔

تیسیر المنطق:

تیسیر المنطق مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہ کی تصنیف ہے۔ اس پر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا حاشیہ ہے۔ مزید حاشیہ مولانا محمد الیاس عبداللہ مدرس مدرسہ دعوۃ الایمان کا ہے۔ کتاب کو آسان تر بنانے کی کافی کوشش کی گئی ہے۔ مولانا محمد الیاس عبداللہ نے اپنی کاوش میں منطقی مسائل پر روزمرہ کی بول چال میں استعمال ہونے والی عام فہم مثالیں بھی دی ہیں۔ تعریفات کی مناسبت سے دیگر کتب میں کام آنے والی مفید باتیں ذکر کی ہیں۔ تناقض اور عکس سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کی موجودہ اشاعت اعلیٰ کاغذ پر کی گئی ہے۔ کل صفحات 96، قیمت 110 روپے ہے۔

ملنے کا پتا: زمزم پبلشرز، شاہ زیب سینٹرز مقدس مسجد اردو بازار کراچی۔ فون 021-32729089

(بقیہ مولوی اور معاشرہ) اسلام مولوی کا نہیں ہم سب کا ہے۔ اللہ قیامت کے روز مولوی سے نہیں پوچھے گا کہ تم نے دین کا علم حاصل کرنے اور پھیلانے میں اپنی ذمہ داری ادا کی بلکہ ہر مسلمان سے یہ سوال ہوگا۔ اس سے بھی جو مسلمان کہلاتا ہے لیکن مسلمان بنتا نہیں اور اس سے بھی جو مسجد میں چندہ دے کر یہ سمجھ لیتا ہے کہ دین کا فرض ادا ہوگیا۔ یہ رویہ جو گزشتہ دو سو سال سے انگریز نے اس معاشرے میں پیدا کیا ہے جس نے مولوی کو تمسخر کا نشانہ بنایا ایسے معاشرے میں جب ایک خاتون عالم دین اور پابند شرع شخص کو اوئے، ابے، جاہل اور ایسے ذلت آمیز الفاظ سے بلاتی ہے تو تعجب کیسا۔ ایسا وہ معاشرے کے کسی اور طبقے سے کر کے دکھائے۔ زندگی جہنم نہ بنادیں اس کی، کسی پارٹی کے لیڈر کو اس طرح ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش کرے۔ ہر کسی کا زور مولوی پر چلتا ہے۔